

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ  
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

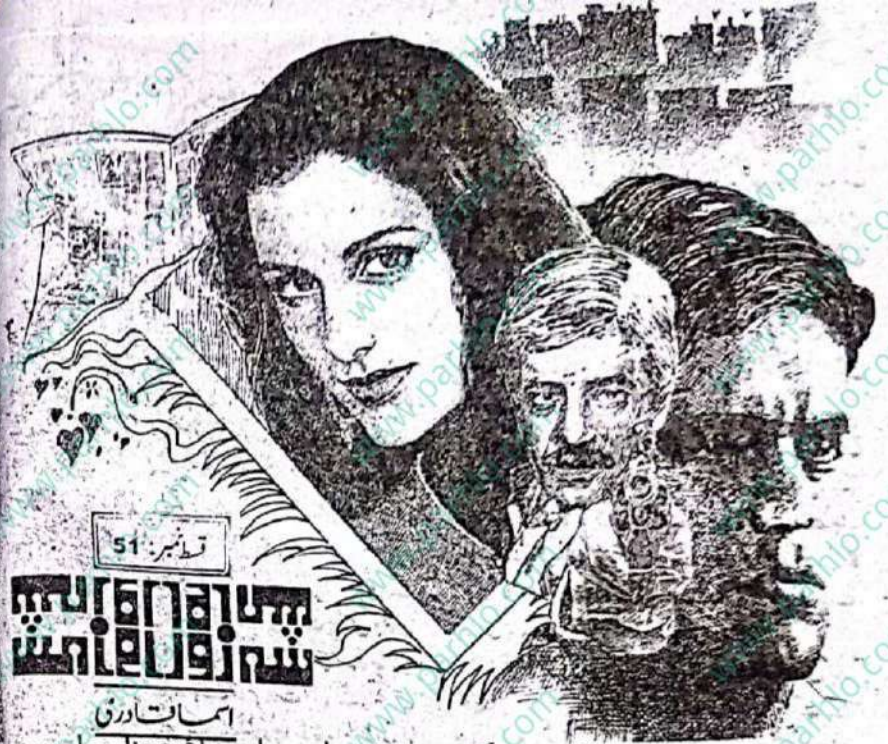
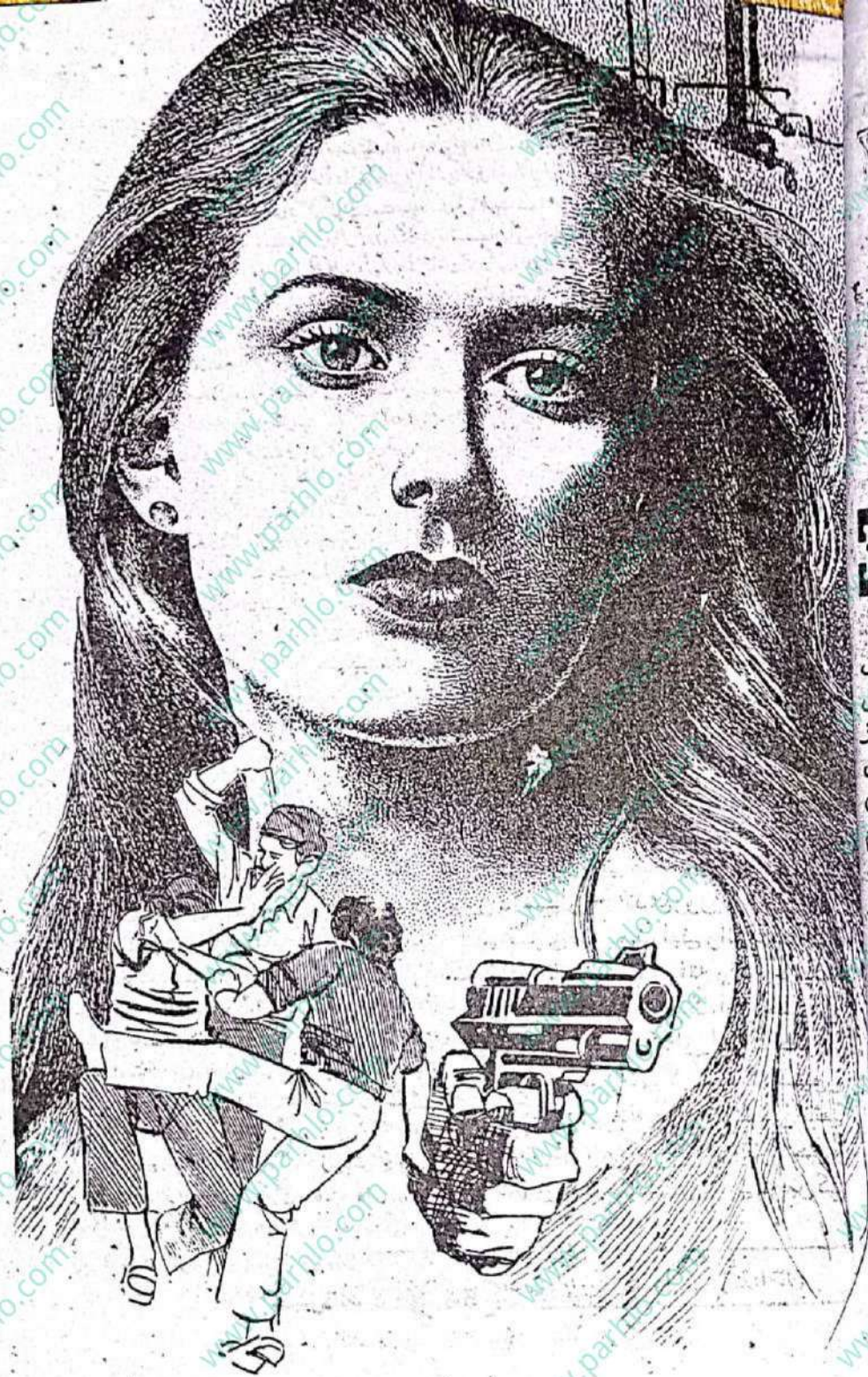
اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز راہٹرز کے لئے آفر  
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ  
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے  
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM





## سچا رول بازی

اساتاریق

زندگی پیار کا گیت ہے مگر... صرف وہاں جہاں معاشرہ ناہمواریوں کا شکار نہ ہو... جہاں انصاف اور توازن عنقا نہ ہوں اور بدقسمتی سے وہ جس معاشرے میں رہتا تھا وہاں ناانصافیوں کی تندو تیز آندھیوں نے اسے محض سراپا انتقام بنا دیا تھا... ایک طرف فنون حرب و ضرب کے ماہر ہاتھوں نے اسے ناقابل شکست بنایا تو... سری طرف ظلم و جبر کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے اس پر عزم نوجوان کو حرف غلط کے مانند مٹائے جانے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے... اس کی زندگی جو المیوں کا شکار... اندھیروں کے قریب اور روشنی سے دور تھی لیکن... بے خبری میں جنم لینے والے عشق کی لو اسے تیرگی میں بھی راستہ دکھا رہی تھی... رفتہ رفتہ وہ ایک ایسے طوفان کا روپ دھار گیا جس میں شعلوں کی لپک اور بجلی کی چمک تھی... اس کی بے قراریوں کو قرار دینے کے لیے اس کا جنون، اس کا پیار اس کے ساتھ تھا... پھر وہ کیسے زمانے کی چیرہ دستیوں کے آگے ہار مان لیتا... اگرچہ تاریک کبوت نے طاقت اور گھمٹ کے نشے میں چور لوگوں پر پردہ ڈالا ہوا تھا لیکن وہ ہر وار کا توڑ کرتا حق و باطل کی ازلی جنگ یوں لڑتا رہا کہ واردات قلب بھی اس کے فرض کی راہ میں، حائل نہ ہوسکی...

اپنے حریفوں پر قہر من کرنا زل ہونے والے ایک سراپا انتقام نوجوان کی تحریکیز داستان



معاذ کے ذہن لیکن سحران لڑکا جو بڑی کا طالب علم ہے لیکن ساتھ ساتھ اس نے دیگر کئی شاعری بھی پال رکھے ہیں۔ آج کل اس پر مارشل آرٹ سیکھنے کا شوق سوار ہے اور اس نے باقاعدہ ایک ادارہ جوائن کیا ہوا ہے۔ معاذ کے والد سرکاری افسر ہیں اور انھیں مدے پر فائز ہیں۔ ایک شام معاذ اپنی ٹیٹ سے واپس آ رہا تھا تو وہ چند لڑکوں کو سڑک پر کھڑی ایک لڑکی کو اغوا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھ لیتا ہے۔ وہ لڑکی جو بڑی ہی سی پڑھتی ہے اور لڑکوں کا تعلق بھی وہیں سے ہے۔ اپنی بڑی نفرت کے باعث وہ اس معاملے میں کد پڑتا ہے اور بڑی نانی اس لڑکی کو بچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بڑی ماس کیونٹی کیسٹن کی طالبہ ہے اور ایک اخبار کے لیے کام فرم لکھتی ہے۔ معاذ بڑی کی یہ حقارت اس کے گھر پہنچا تو اسے اور خود اس واقعے کو فراموش کر دیتا ہے لیکن جن رکشی لڑاؤں سے اس نے ان کا شکار جھینا تھا، وہ اس واقعے کو فراموش نہیں کرتے اور موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ایک دن وہ معاذ کو بے خبری میں تھک کر کمری طرح ڈر دوکب کرتے ہیں اور بڑی سے اسے دھمکاتے دیتے ہیں۔ معاذ کے دواہن نہ آنے پر انتقامیہ کے افراد پولیس اور مسکے ذرائع کی مدد سے اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ اور معاذ کو ہوش آتا ہے تو وہ خود کو ایک جڑی کی جھوٹیڑی میں پاتا ہے۔ جڑی اپنی خاص بڑی بیڑیوں کی مدد سے اس کا علاج کرتا ہے۔ وہاں رہتے ہوئے جڑی کی شخصیت اس کے لیے دلچسپی کا باعث بن جاتی ہے، جو بھی اسے پسند کر لگتا ہے اور ایک دن اسے بتاتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہیں قدرت کچھ خاص صلاحیتوں سے نواز کر دنیا میں بھیجتی ہے۔ معاذ سے خاصی بات چیت کے بعد وہ اسے پھر اس علم سکھانے کی ہامی بھر لیتا ہے اور معاذ اس سے علم سیکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور جانے دوہ سے ملے والے معاذ کے کمرے سے جب تصویریں نکلتی جاتی ہیں تو ایک ایسی تصویر بڑی کی نظر میں آ جاتی ہے جس میں بہت دور ایک درخت کے پیچھے سے ایک چہرہ ہمارا دکھائی دے رہا ہے۔ وہ کافی کوشش کے بعد اس چہرے کو پہچان لیتی ہے۔ یہ وہی لڑکا ہوتا ہے جس کو اغوا کرنے کی کوشش کرنے والوں میں شامل تھا۔ اس میں وہ لڑکا کمران اسی شخص کا بیٹا ہے جس کے پروجیکٹ کے غیر قانونی ہونے کے سلسلے میں بڑی تحقیق کر رہی تھی۔ بڑی کے اپنے والد جرئت ہوتے ہیں اس انکشاف کے بعد وہ پولیس سے رابطہ کرتی ہے۔ اس کی پاداش میں بڑی کو کافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کی ماں کو بے آبرو کر کے مار دیا جاتا ہے جبکہ باپ مدد سے جان دے دیتا ہے۔ اس میں سب باؤل نانی فٹے کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بڑی انتقام لینے کی ضمان لیتی ہے۔ ان تکلیف دہ دنوں میں ہی معاذ وہی کا ارادہ کرتا ہے تاہم ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ ڈاکو اسے پہچان کر اس کا سواور قاتل اللہ اور پروانی سے کرنا چاہتے ہیں۔ معاذ کو دھمکانے والی ایک لڑکا وہاں سے نکال لے جاتا ہے۔ اور باؤل اچانک بڑی کو چھاپ لیتا ہے اور اسے بے آبرو کر دیتا ہے۔ معاذ کو دواہن لانے کے لیے اوجھے جھنڈے استعمال کرتے ہوئے اس کے بھائی کی قبر کو لیا جاتا ہے۔ معاذ دشمنوں کے پاس خود حاضر ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ کسی دوسری پارٹی سے اس کا سودا کر کے اسے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ قید میں معاذ سے معلومات کے نہ بتانے پر اس کے بھائی کا ایک کردہ نکال لیا جاتا ہے۔ مجبوراً معاذ کو سب بتانا پڑتا ہے۔ اور بڑی بھی سونیا خان سے مل جاتی ہے اور اس کی ٹریک شروع ہو جاتی ہے۔ معاذ کے دوست عالم شاہ کے بہنوئی کو مل کر دیا جاتا ہے۔ معاذ کی خون میں مہارت حاصل کر لیتا ہے۔ اسے چنانچہ کر کے اس کے دماغ پر کنٹرول کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاہم وہ فیصلو سے حاصل الوہی علم کی بدولت ان کا معمول نہیں جاتا۔ عالم شاہ اور اس کا نوکر سرمد باؤل کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ عالم شاہ، باؤل کی قید میں موجود ایک دشمن کی مدد سے وہاں سے فرار ہو جاتا ہے۔ اور بڑی وہی کچھ جاتی ہے۔ وہاں وقاس اسے بارہی کے روپ میں پہچان لیتا ہے۔ وہ سلطان کارا چاہتی ہے۔ اور عالم شاہ، باؤل کی قید سے نکل کر اس کا بچھا کرتا ہے۔ وہ وہاں معاذ کو دیکھتا ہے۔ معاذ کو اس کے گھر والوں سے ملنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ وہ ایک مشن پر سونیا کے ساتھ ایڑا روانہ ہوتا ہے تاہم کچھ لوگ سکھ باتریوں سے ہماری بس کو قتل بنا لیتے ہیں۔ معاذ اور سونیا خانے کے تمام افراد کو کھانے لگا دیتے ہیں۔ عالم شاہ، بنگل اور سرمد اٹھارہ دنوں کا رونا ہوتا ہے۔ وہ لوگ واپس اپنے میزبانوں اور وہ عالم شاہ اور سرمد کو لے جاتے ہیں۔ عالم شاہ اور سرمد کو تھوڑا سا نشانہ بنا کر ویرانے میں بھیج دیا جاتا ہے۔ وہ لوگ واپس اپنے میزبانوں کے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں پتا لگتا ہے کہ ان کے ساتھ کچھ ہوا اس میں اجالا اور اس کا عاشق شامل ہوتے ہیں۔ وہ سب کمران کی باتیں سن رہا ہوتا ہے۔ تاہم وہاں بارہا ماری ہوئی ہے اور اجالا کا عاشق مارا جاتا ہے۔ پولیس ان کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔ ان کے کزن انہیں اپنے دوسرے خیرے ہنگے پر پہنچا دیتے ہیں۔ وہ وہاں سے بھگتا نکل جاتے ہیں۔ اور معاذ ایک مشن میں زخمی ہو جاتا ہے اور اسے ہندو ساوراجی نکپاش ملے جاتا ہے۔ سونیا کے آئی معاذ کو تلاش کرتے ہیں مگر کام ہو جاتا ہے۔ اور عالم شاہ اور سرمد زخمی سے بے باور پار کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ مرے جاتے ہیں اور "نا" کی قید میں کچھ جاتے ہیں۔ بڑی باؤل کو مارنے کی کوشش میں خود نشانہ بن جاتی ہے۔ معاذ ساوراجی کی مدد سے ایک انٹرن ہیرڈن کے گھر پہنچ جاتا ہے۔ وہاں اسے عالم اور سرمد کی لڑائی کا پتا چلتا ہے۔ معاذ ڈاکٹر فردوس سے ملتا ہے اور اسے مکمل کی مدد کرنے کا کہتا ہے۔ علیہ اور وقاس وغیرہ کو لالہ مٹی ملک سے باہر نکال دیتا ہے۔ علیہ پاکستان میں قید سے رابطہ کرتی ہے جو ان کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ ٹویہ پر تیزاب پھینک دیا جاتا ہے۔ وقاس، علیہ اور اس کے گھر والوں کو مار دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر فردوس معاذ کو دیا

### اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

نانی محسوس سے مدد کا کہتی ہے۔ معاذ کو کزن کو پاکستان کال کرتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ اس کے گھر والوں کو مار دیا گیا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی ضمان لیتا ہے۔ اور ڈاکٹر فردوس کو اس کے سرسرا والے مکمل کو بھگانے کی پاداش میں خود کو نشانہ بناتے ہیں۔ معاذ، عالم اور سرمد کی رہائی کے لیے کارروائی کرتا ہے اور انہیں "نا" کی قید سے نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن عالم اور سرمد کو بچا کر آئی کسی دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں۔ سونیا معاذ کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اور باؤل ایک جگہ لالہ مٹی کی موجودگی پر کارروائی کرتا ہے تاہم لالہ خود کو گولی مار کر ختم کر لیتا ہے۔ ڈاکٹر فردوس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر فردوس کی میت اٹھنے پر وہاں قاتل کر دیتے ہیں۔ پولیس وہاں کو گھیر لیتی ہے۔ معاذ وہاں اور اس کے آرمیوں کو کھانے کے عوض عالم کا مطوم کر لیتا ہے۔ سونیا اور معاذ حیرت آ دواہن پر والدین کی خلی جلیج جاتے ہیں۔ وہ وہاں صاحب کی حویلی میں عالم اور سرمد کی رہائی کے لیے کارروائی کر کے انہیں رہا کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ نئے ٹھکانے پر پہنچتے ہیں تو وہاں معاذ سے ملنے جا رہا تھا۔ اسے "نا" کی قید سے نکالا ہوتا ہے۔ جاو اور معاذ، بنگل سے استہلال جاتے ہیں اور پہچان لے جاتے ہیں پولیس ان کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔ پولیس سے مقابلے کے بعد وہ ایک مٹی میں پناہ کے لیے محسوس جاتے ہیں۔ اور سونیا معاذ کی تلاش میں نکلتی ہے اور اسے سستی میں پھنسنے پر معاذ کا سراغ ملتا ہے۔ معاذ اور جاو وغیرہ الوہی نانی محسوس کے ساتھ اس کے مالک کے ہنگے میں قیام کرتے ہیں۔ سونیا بھی معلومات حاصل کرتی ہوئی مذکورہ ہنگے میں پہنچ جاتی ہے۔ عالم شاہ اور سرمد بھی سونیا کا بچھا کرتے ہوئے وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ اور لالہ، وقاس، علیہ وغیرہ لوگ زندہ ہوتے ہیں۔ وقاس حلیہ بدل کر گلوکا باؤل کا گڑ بٹاتا ہے۔ وہ معاذ کو تلاش کرنے کے لیے ایڑا روانہ ہوتا ہے۔ وہاں اس کی نگل خان سے ملاقات ہوتی ہے اور معاذ کا سراغ ملتا ہے۔ سونیا، معاذ اور سرمد ساتھیوں سے مل جاتی ہے تاہم وہ جس ہنگے میں ہوتے ہیں وہ دشمن کا ہوتا ہے۔ دشمن سب کو بے ہوش کر کے کہیں لے جا رہے ہوتے ہیں کسان کی گاڑی کو حادثہ پیش آ جاتا ہے۔ ان سب کو بھی بھگتوئی اعدا دیتے ہیں اور ان سے پوچھ بچھ کی جاتی ہے۔ مکمل کی حالت تشویشناک ہوتی ہے اور اسے وہاں موجود ایک وید دیکھتا ہے۔ اور لالہ وہاں اپنے لوگوں میں پہنچ کر انکیشن میں آ جاتا ہے۔ باؤل، معاذ کا بچھا کر لے جاتا ہے اور جینوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے۔ معاذ جینوں کے ساتھ لالہ کی دشمنوں کے خلاف کارروائی کرتا ہے۔ اور لالہ مٹی، اعظم کو دشمن کی گرفت سے نکالنے کے لیے کارروائی کر دیتا ہے اور موسیٰ اور نلی، اعظم کو نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ موسیٰ اور نلی کی گاڑی پر حمل ہوتا ہے تاہم ہمارا ماری کے بعد وہ صداقت شاہ کے پاس پہنچتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اعظم کو وہاں سے نکال لیا جاتا ہے اور دوسری جگہ منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اور معاذ جینک پہنچ جاتا ہے اور وہاں کے گھر باہر تازوں سے بات کر کے پاکستان پہنچنے کی اجازت چاہتا ہے۔ اور موسیٰ اور نلی کو پولیس گھر لکھتے ہیں اور فائزنگ میں موسیٰ مارا جاتا ہے۔ وہ اعظم کو لے جاتے ہیں اور نلی زخمی حالت میں ان کے قبضے میں آ جاتی ہے۔ معاذ اور موسیٰ وغیرہ پاکستان پہنچ جاتے ہیں اور اعظم کی بازیابی کے لیے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ اور باؤل، لالہ کی قید سے بھاگ جاتا ہے۔ معاذ، ڈاکٹر ایسی بی ٹی سمیر کے ہنگے پر دھاوا بولتا ہے اور ڈاکٹر ایسی بی کو قتل کرنے کے بعد اس سے معلومات لیتا ہے۔ وہ لوگ ظہیر خان کو لے کر وہاں سے نکل جاتے ہیں۔ باؤل قید سے نکل کر مہاجر کے پاس پہنچتا ہے اور اسے نشہ دہانہ بناتا ہے۔ نلی قید میں موجود ظہیر کو کھانے لگا دیتی ہے۔ بڑی قبرستان جاتی ہے۔ وہاں اس کی دوست ملتی ہے۔ بڑی اپنی دوست کے ساتھ جاری ہوتی ہے کہ باؤل کے آئی اسے اغوا کر لیتے ہیں۔ اور معاذ سارے معاملوں کو جلد حل کرنے کے لیے دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے مگر اس کے خیر خواہ اسے میڈم انیس کے ہنگے سے نکال لیتے ہیں اور اعظم کو بھی بازیاب کر لیتے ہیں۔ زن ہوا اسے اپنے ساتھ لے جاتی ہے اور وہاں کرنل سکندر بخت سے ملاقات ہوتی ہے۔ معاذ انہیں دشمنوں کے خلاف کارروائی کرنے کا کہتا ہے۔ باؤل، بڑی کو لے کر ایڑا رگرا ڈنڈ ہو جاتا ہے۔ اور وقاس باؤل کا پتا چلانے کے لیے ایک کال کر لے کر اس کے گھر کارروائی کر کے باؤل کے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے۔ وہاں وہی کے ساتھی اور کوئی اور روپ حملہ کر دیتے ہیں۔ وہی زخمی ہو جاتا ہے۔ اور باؤل، عرفان اللہ کو گولی مار دیتا ہے اور خود بھی شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ باؤل کے ساتھی اسے ایک اسپتال کے آگے چھوڑ دیتے ہیں۔ وہیں وہی اور بڑی بھی داخل ہوتے ہیں۔ معاذ باؤل کو پہچان کر اسے بھی وہیں ایڈمٹ کر دیتا ہے۔ عرفان اللہ جاں بحق ہو جاتا ہے۔ صداقت شاہ اور ان کی امی مکمل کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ عالم، نلی اور اعظم بھی وہیں ہوتے ہیں۔ بنگل اسپتال میں زیر علاج ہوتی ہے۔ باؤل کو معذوری کی حالت میں ایک چوک پر بھیج دیا جاتا ہے۔ معاذ، وقاس کے ساتھ علیہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اسے اگلے مشن پر جانا ہوتا ہے۔ سونیا قانون کی قید سے بھاگ نکلتی ہے۔ مکمل کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ یو آن سنگ، ایڈیٹر کے ذریعے مکمل کے آپریشن کی تجویز دیتا ہے۔ مکمل کا آپریشن کامیاب رہتا ہے تاہم اس کا ایک ہاتھ اور نچلا ہڑت کا رہا ہو جاتا ہے۔ اور معاذ کشمیر پہنچ جاتا ہے۔ ایک کشمیری لڑکی کی مدد کرنے کی پاداش میں بھارتی سپاہی اسے گرفتار کرنے بھجائیں کی دکان پر لے جاتے ہیں۔ تاہم پوچھ بچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور مکمل کو کشمیر سے کس کی بہن کا بچے کا آپریشن ہے۔ وہ سب وطن واپس آ جاتے ہیں۔ عالم اور سرمد کو محفوظ مقام پر منتقل کیا جا رہا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ انہیں رہنما بنا لیتے ہیں، اور سونیا کی سچائی جانچنے کے لیے تنظیم کے لوگ اسے مار چکے ہیں تاہم وہ اس آزمائش میں پوری اترتی ہے۔ معاذ پری دوش کے اہل خانہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے جاو کے ساتھ منصوبہ بندی کرتا ہے اور وہ لوگ مہندر سکھ کو گھیرنے کے لیے نکلتے لگتے ہیں۔



جادو اور معاذ پری دوش اور اس کے اہل خانہ کے قاتل مہندر کو... چھاپنے کے لیے ایک جگہ موجود تھے جادو کے سامنے نے اطلاع دی تو وہ معاذ کو لے کر گئے بڑھا۔ ”آؤ“ وہ اسے لے کر مرکز کے مزید قریب ہو گیا لیکن تھے وہ اب بھی آؤ میں ہی۔ چہتا نے مزید کمرے تو معاذ کو تار کی اور سنانے میں کسی جیب کے انجن کی مدد سے آواز سنائی دی۔ جبار علی یقیناً اپنی غیر معمولی سماعت کے باعث یہ آواز پہلے ہی میں چکا ہوگا۔ سماعت سے بصارت کا سترتزی سے ملے ہوا اور مرکز پر متحرک روشنی دکھائی دینے لگی۔ اس روشنی میں معاذ کو مرکز پر پڑے وہ بھاری پتھر دکھائی دے جن کو ہٹائے بغیر وہاں سے گزرا ناممکن ہی نہیں تھا۔ مہندر کی جیب کافی قریب تھی مگر وہ ابھی اس نے ان پتھروں کو دیکھا اور تیزی سے بریک لگا کر جیب روکی۔ جیب بس چند انچ کے فاصلے سے ہی رکی تھی۔ اگر اسے ذرا سی بھی مزید تاخیر ہو جاتی تو تصادم اور تصادم کے نتیجے میں خوفناک حادثہ لازمی تھا۔ مہندر کی پیشانی سے موسم ٹھنڈا ہونے کے باوجود پینا پھوٹ پڑا اور غصے میں اس کے ہونٹوں سے چند بھاری ہیرم کا لیاں برآمد ہوئیں۔ خوف اور غصے کی ان کیفیات سے گزر کر وہ اپنا اٹکا لٹکھٹل ملے کر بایا، اس سے قبل ہی معاذ اور جبار علی اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔

”کون ہو تم اور تمہیں ہمت کیسے ہوئی ایک آری آفسیر کا راستہ روکنے کی؟“ وہ یقینی طور پر گھبرا چکا تھا لیکن اس افسرانہ اکثر کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں آیا جو چھوٹے افسران میں ضرورت سے ذرا زیادہ ہی موجود ہوتی ہے۔

”ہمارا تعارف حاصل کرنے کے لیے تمہیں ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔“ معاذ اور جبار علی اچھل کر اس کی جیب میں چڑھ گئے۔

”میں کیوں جاؤں گا تمہارے ساتھ؟ اترو میری جیب سے۔“ وہ اکثر دکھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے نیچے میں گھبراہٹ تھی۔

”تمہارے ساتھ نہیں جاؤ گے تو سننا چھوڑ کر نرک جانا پڑے گا۔ اب فیصلہ کر لو کہ کمرہ جانا ہے۔“ معاذ جواں کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا، رائل کی نال اس کی گردن سے لگا کر خوفناک لہجے میں بولا۔

”اے... اے... لیکن...“ وہ ہٹلایا۔

”کوئی لیکن دیکھ نہیں۔ تمہارا انکار تمہارے ساتھ ساتھ تمہارے گمراہ والوں کی زندگی بھی خطرے میں ڈال دے گا۔“

”کیا مطلب؟“ جبار علی کی دمکی پر وہ اچھل پڑا۔

”مطلب یہ کہ اس وقت تمہارے بیوی بچے بلکہ تمہاری محبوبہ کا جل بھی ہمارے رحم و کرم پر ہیں۔ اب گاڑی اسٹارٹ کرو اور چپ چاپ ہم جہاں کہیں، وہاں چلو۔“ جبار علی کے سٹکین لہجے کے ساتھ ساتھ اسے جیب کے سامنے سے پتھر ہٹاتے لوگوں نے بھی اس کی بات ماننے پر مجبور کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے گھیرا گیا ہے۔

”یہاں سے ٹرن لے کر وہاں اوپر چلو۔“ مہندر سگھ نے حسب حکم جیب اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو جبار علی نے ناکھم صادر کیا۔ معاذ اس دوران گھوڑا کپارٹمنٹ کی تلاشی لے کر اس کا مکمل اپنے قبضے میں لے چکا تھا۔ اسے وہاں بنت انگوڑے بھری ایک چٹنی سی بوتل بھی تھی۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ مہندر اس کے حکم کی قیبل تو کر رہا تھا لیکن ساتھ ساتھ اس پر جھنجھلاہٹ بھی طاری تھی۔

”میرے ساتھ کچھ غلط کر کے تم بھی نہیں سکو گے۔ میں انڈین آری سے ہوں اور ہم اپنے ساتھیوں پر دادر کرنے والوں کو کبھی نہیں کرتے۔“

”تمہاری بھاری کمزور عورتوں اور سیدھے سادے شہریوں پر ہی کام کرتی ہے۔ ہم جیسوں کی تو دخول تک بھی نہیں پہنچ سکتیں گے تمہارے بھائی بند۔“ جبار علی نے تر سے اسے جواب دیا۔ معاذ نے بھی بے اختیار اس کی گردن پر رائل کا دباؤ بڑھا دیا۔ پری دوش اور اس کے خاندان کی دردناک موت کا دکھ قاتل کو سامنے پا کر مزید ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

”بائیں طرف سے اوپر لے لو۔“ خاصا قاصد ملے کر بچنے کے بعد جبار علی نے اسے حکم دیا۔

”وہ کیوں؟“ مرکز سے بچنے کا حکم سن کر وہ بدکار اور جیب روک لی۔

”کیوں کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہو تم۔ اپنی جان کی فکر کرو گے تو اپنے پیادوں کی جان کو آؤ گے۔“ جبار علی نے اسے یاد دلایا کہ اس کے پیارے ان کے قبضے میں ہیں۔

”تم مجھے بھٹ کر رہے ہو۔ میں ابھی ٹوڑی دی رہا پہلے ہی گھر سے نکلا ہوں۔ کاہل سے بھی گھٹا بھر پہلے بات ہوئی تھی۔ اتنی جلدی تم کیسے ان سب کو بندی بنا سکتے ہو؟“ اس نے اپنے ٹک کا اٹھا لیا۔

”ہاتھ ٹکٹن کو آری کیا، ابھی تمہیں ”دشواں“ دلا دیتے ہیں۔“ جبار علی نے لفظ دشواں پر زور دیتے ہوئے

”کیا مطلب؟“ جبار علی کی دمکی پر وہ اچھل پڑا۔

”مطلب یہ کہ اس وقت تمہارے بیوی بچے بلکہ تمہاری محبوبہ کا جل بھی ہمارے رحم و کرم پر ہیں۔ اب گاڑی اسٹارٹ کرو اور چپ چاپ ہم جہاں کہیں، وہاں چلو۔“ جبار علی کے سٹکین لہجے کے ساتھ ساتھ اسے جیب کے سامنے سے پتھر ہٹاتے لوگوں نے بھی اس کی بات ماننے پر مجبور کیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے گھیرا گیا ہے۔

”یہاں سے ٹرن لے کر وہاں اوپر چلو۔“ مہندر سگھ نے حسب حکم جیب اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی تو جبار علی نے ناکھم صادر کیا۔ معاذ اس دوران گھوڑا کپارٹمنٹ کی تلاشی لے کر اس کا مکمل اپنے قبضے میں لے چکا تھا۔ اسے وہاں بنت انگوڑے بھری ایک چٹنی سی بوتل بھی تھی۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ مہندر اس کے حکم کی قیبل تو کر رہا تھا لیکن ساتھ ساتھ اس پر جھنجھلاہٹ بھی طاری تھی۔

”میرے ساتھ کچھ غلط کر کے تم بھی نہیں سکو گے۔ میں انڈین آری سے ہوں اور ہم اپنے ساتھیوں پر دادر کرنے والوں کو کبھی نہیں کرتے۔“

”تمہاری بھاری کمزور عورتوں اور سیدھے سادے شہریوں پر ہی کام کرتی ہے۔ ہم جیسوں کی تو دخول تک بھی نہیں پہنچ سکتیں گے تمہارے بھائی بند۔“ جبار علی نے تر سے اسے جواب دیا۔ معاذ نے بھی بے اختیار اس کی گردن پر رائل کا دباؤ بڑھا دیا۔ پری دوش اور اس کے خاندان کی دردناک موت کا دکھ قاتل کو سامنے پا کر مزید ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

”بائیں طرف سے اوپر لے لو۔“ خاصا قاصد ملے کر بچنے کے بعد جبار علی نے اسے حکم دیا۔

”وہ کیوں؟“ مرکز سے بچنے کا حکم سن کر وہ بدکار اور جیب روک لی۔

”کیوں کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہو تم۔ اپنی جان کی فکر کرو گے تو اپنے پیادوں کی جان کو آؤ گے۔“ جبار علی نے اسے یاد دلایا کہ اس کے پیارے ان کے قبضے میں ہیں۔

”تم مجھے بھٹ کر رہے ہو۔ میں ابھی ٹوڑی دی رہا پہلے ہی گھر سے نکلا ہوں۔ کاہل سے بھی گھٹا بھر پہلے بات ہوئی تھی۔ اتنی جلدی تم کیسے ان سب کو بندی بنا سکتے ہو؟“ اس نے اپنے ٹک کا اٹھا لیا۔

”ہاتھ ٹکٹن کو آری کیا، ابھی تمہیں ”دشواں“ دلا دیتے ہیں۔“ جبار علی نے لفظ دشواں پر زور دیتے ہوئے

شہ زور

طرف اشارہ کر کے سیٹ لہجے میں بولا۔ مہندر کو بھی گویا اشارے ہی کا انکار تھا۔ اس نے جمپٹ کر پوٹل اٹھائی اور ایک سانس میں ہی آؤ میں خالی کر دی۔ وہ یقیناً عادی شرابی رہا ہوگا جو ایک ساتھ اتنی پی کیا تھا۔

”اب بولو کیا چاہتے ہو؟“ شراب نے اسے سہارا دیا تھا اور اس بار قدرے سکون سے ان سے سوال کر رہا تھا۔

”پری دوش اور اس کے خاندان کی برابری کا حساب۔“ اس بار معاذ نے اسے جواب دیا۔

”پری دوش؟“ وہ چونکا۔ ”یہ وہی لڑکی ہے نا جس نے میرے بھائی زبیر کی جان لی تھی؟“

”اس نے نہیں، میں نے لی تھی اور اب میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں تو جو بڑا بڑے ہو، میرا بگاڑ لو۔“

”تم... تم نے قتل کیا تھا میرے بھائی کو... لیکن کیوں؟ کیا بڑا تھا اس نے تمہارا؟“ مہندر نے اندھیرے کے باوجود اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔

”بگاڑا تو پری دوش نے بھی اس کا کچھ نہیں تھا جو وہ اپنے آوارہ سامنے کے ساتھ اسے اٹھا کر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے اور اس جیسوں کو قتل دیا تھا کہ شہر کی بیٹیوں کی عزت اتنی قیمتی ہے کہ اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ہر چاہنا انہیں اپنے خون سے بھرنا پڑے گا۔“

”تو تم نے بھی پھر بتا دیا کہ وردی والے کی جان کی قیمت کیا ہوتی ہے۔ حساب برابر ہو گیا۔“ شراب نے اس کا اعتماد ضرورت سے زیادہ بھائی بھال کر دیا تھا جب ہی اس نے یوں آرام سے اپنے ہاتھ جھٹکے تھے جیسے دھول چھا رہا ہے۔

”حساب تو برابر ہوئی نہیں سکا، بس ہم کچھ نہ کچھ مدادے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ روز حشر ان مظلوموں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے کہ ہم نے ان کے قاتل کو آزادی سے دے دیا ہے۔“

”مہندر وہ کچھ سکا تو دیکھتا کہ معاذ کی آنکھوں میں درجے سے سرخی اترنے لگی ہے۔

”تو پھر ٹھیک ہے، کر دو مداد، مار دو مجھے گولی۔“ مہندر نے بھادر بننے کی کوشش کی۔

”اتنی زبردستوں کے بدلے میں تیری ایک جان، وہ بھی گولی کی آسان موت سے، بھلا ایسے مداد کیسے ہوگا؟“

”پھر... پھر کیا چاہتے ہو تم؟“ مہندر کے لہجے سے خوف چھلکا۔

”تم تیری پریمیکا اور بیوی بچوں کو بیڑی بول پر لیتے ہیں۔ پہلی گولی تیری پریمیکا کو مار گئے، پھر تیری بیوی اور بچوں کو۔ وہ سب مدد کے لیے تجھے پکارتی گئے، اپنی



زندگیوں کے لیے ہمارے آدمیوں کے سامنے گڑبگڑا میں  
 کے توجہ ان مظلوموں کی تکلیف کا احساس ہوگا جن پر  
 تو نے ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ "معاذ مجھے میں سفاکی  
 بھرے اسے اپنے پورے منصوبے آگاہ کر رہا تھا۔  
 "تم تم لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔" مہندر نے خوف  
 سے شک ہو جانے والے کھلے کھڑکرنے کے لیے تھوک لگایا۔  
 "ہم ایسا ہی کریں گے بلکہ یہ سب کرنے کے بعد  
 دونوں گھروں میں آگ بھی لگا دیں گے، بالکل اسی طرح  
 جیسے تو نے حاجی شیر خان کے گھر اور کیر کے بارگ میں لگوائی  
 تھی۔" جادو نے اسے یقین دہانی کروائی۔  
 "نہیں، بھگوان کے لیے نہیں۔ وہ سب مردوش ہیں۔  
 تم میرے پاپوں کی سزا ان مصومنوں کو نہیں دے سکتے۔"  
 مہندر کی برداشت جواب دے گئی۔  
 "جنہیں تم نے مارا، وہ سب بھی مظلوم اور مصوم  
 تھے۔ یہاں تک کہ ان کے خاندان کے کسی شخص نے تمہیں یا  
 تمہارے خاندان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ جب تم ان  
 پر ظلم کر سکتے ہو تو ہم ان کا بدلہ لینے کے لیے بقول تمہارے،  
 تمہارے مصوم خاندان کو نشانہ کیوں نہیں بنا سکتے۔ تم انہیں  
 اپنے سامنے تڑپ تڑپ کر مارتا دیکھو گے تو جب ہی تو اس  
 تکلیف کو محسوس کرو گے جس سے اسپتال میں پڑا وہ مصوم  
 بچہ گزر رہا ہے۔ پروان چڑھنے کے لیے ابھی اپنے باپ  
 کے سامنے اور ماں کی محبت کی ضرورت تھی۔ ذرا سوچ کر وہ  
 کس اذیت میں ہے کہ کردا کے بغیر سوئیں سکا اور جب ہوش  
 میں آجائے تو اپنے خاندان کی موت کے دردناک مناظر  
 اسے ہوش و حواس سے بیگانہ کر کے چیتے چلانے پر مجبور  
 کر دیتے ہیں۔ تم نے تو جرم کیا ہے۔ لیکن بتاؤ اس مصوم نے  
 کس گناہ کی سزا پائی؟ اس کا جرم صرف یہی ہے کہ وہ ایک  
 کشمیری ہے اور تم کشمیریوں کے خون سے ہولی کھینا ہوا حق  
 سمجھتے ہو۔" جبار علی کے آج دیتے لہجے میں وہ ساری تکلیف  
 موجود تھی جو وہ بچپن سے لے کر اب تک دیکھ جانے والے  
 مظالم کے نتیجے میں اپنے اندر جمع کرتا رہا تھا۔  
 "خدا تعالیٰ کی دہی ایک حد تک دراز کرتا ہے، بھگو  
 آج تمہاری دہی کچھ جانے کا وقت آگیا ہے۔" معاذ نے  
 جبار علی کی بات آگے بڑھائی۔  
 "نہیں، بھگوان کے لیے نہیں۔ تم میرے گلوے  
 کھوے کر دو لیکن میرے پر یوار کو چھوڑ دو۔" وہ گڑبگڑا  
 لگا کر جانے فرار تو گئی تھی۔  
 "ایک شرط پر۔"

"کیسی شرط؟ تم مال دولت، روپے پیسہ جو کچھ میں  
 تمہیں سب دوں گا، بس تم میرے پر یوار کو چھوڑ دو۔" معاذ  
 کے الفاظ نے اس کے اندر امید جگا کر کچھ میں جوش بھرا۔  
 "روپے پیسہ۔۔۔۔۔" جبار علی طنز یہ بنا۔  
 "تمہاری سرکار تمہیں اتنی بکارتوں دیتی کہ اس سے  
 تم جیسا چھوٹا افسر روپے پیسہ اور مال و دولت جمع کر سکتے۔ تم  
 نے جو کچھ مال پائی بنا یا ہے، وہ ہم کشمیریوں کی بیویاں بوج  
 کر ہی بنایا ہے اور اب ہمیں اسی سے ہمارے خون کی قیمت  
 ادا کرنے پڑے ہو۔" بولتے بولتے اس کے لہجے میں قہر  
 اترنے لگا۔  
 "پھر کیا چاہتے ہو تم؟" مہندر نے بے بسی سے پوچھا۔  
 "خودکشی۔"  
 "خودکشی۔۔۔۔۔ مطلب؟" مہندر، معاذ کے سپاٹ  
 لہجے میں کے گئے مطالبے پر حیران ہوا۔  
 "خودکشی مطلب آتما بھیا۔۔۔۔۔ تم اس پہاڑی سے  
 اپنی جیب نیچے گرا کر خود اپنی جان لو گے۔"  
 "سگ۔۔۔۔۔ سگ۔۔۔۔۔ مگر ایسے کیسے ہو سکا ہے؟"  
 مہندر ہلکا ہوا۔  
 "بالکل ویسے ہی جیسے پری دوش نے کیر کے بارگ میں  
 تم جیسے بھجڑیوں سے بچنے کے لیے کنوئیں میں کود کر اپنی  
 جان لی تھی۔ سوچو کیا گزری ہوگی اس اٹھارہ انیس سال کی  
 لڑکی پر یوں اپنی جان لیتے ہوئے۔ ابھی تو اسے بہت جیتا  
 تھا، ڈاکٹر نے اس کے خواب دیکھا کرتی تھی وہ اور۔۔۔۔۔ معاذ کا  
 گلہ رند ہونے لگا۔  
 "تم۔۔۔۔۔ تم نے صرف اور صرف اپنے بدکردار  
 بھائی کا انتقام لینے کے لیے اس چرائ کو بچنے پر مجبور کر دیا  
 جو اگر جلا رہتا تو بہت سے۔۔۔۔۔ لوگوں کی زندگیوں میں روشنی  
 بکھر جاتی۔ وہ اپنے لوگوں کی خدمت کرتی، دہلی انسانیت  
 کے کام آتی لیکن تم نے۔۔۔۔۔ تم نے سب ختم کر ڈالا۔ اب  
 میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اپنے ہاتھوں سے اپنی جان لینے  
 ہوئے چہل کے لیے اسی اذیت سے گزر دو جس سے پری  
 دوش گزری ہوگی۔" وہ اس وقت خاصا سجد باتی ہو رہا تھا۔  
 "تمہاری زندگی میں بھی تو بہت سے خواب ہوں گے  
 ؟ تم بھی خواہش کرتے ہو گے کہ ایک دن تمہارا بیٹا  
 تمہارے کندھے سے کندھا ملا کر آری یونیفارم میں تمہاری  
 نظروں کے سامنے ہو۔ تمہاری بیٹی سرخ جوڑے میں گھر  
 سے دوڑا ہو تو تم اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے نئی زندگی کے  
 لیے شہ کا مذاک کے ساتھ اپنا آئیر واڈو۔۔۔۔۔ باپ مرے تو

اس کی رتی کو اپنے ہاتھ سے اگنی دو، مال کو گناہ نشان کے  
 لیے لے جاؤ۔" بولو ہے نا تمہارے یہ سارے  
 خواب۔۔۔۔۔ وہ جذبات میں مہندر پر زور سے چپٹا۔  
 "ہاں، ہاں۔۔۔۔۔ سارے سنے میرے سن میں  
 ہیں۔" مہندر کی آواز بہت ہلکی تھی لیکن محسوس کیا جاسکتا تھا  
 کہ اب وہ رو رہا ہے۔  
 "بس تو اپنے ان سارے خوابوں سمیت موت کو  
 گلے لگو جیسے پری دوش لگانے پر مجبور ہو گئی تھی۔"  
 "آج تمہاری بات نہ مانوں تو؟"  
 "تو مرنا تمہیں پھر بھی پڑے گا لیکن اپنے ہر  
 پیارے کی خون میں ڈوبی ہوئی لاش دیکھ کر۔ یہ فیصلہ تمہیں  
 کرنا ہے کہ صرف تم۔۔۔۔۔ یا پھر تمہارے سمیت تمہارے  
 سارے اپنے۔" معاذ کے لہجے میں اس کے لیے کہیں کوئی  
 نئی نہیں تھی۔  
 "یہ سب کر کے تم بچے گے نہیں۔ دونوں صورتوں میں  
 اعلیٰ پیمانے پر انوکھی لیٹھن ہوگی اور سارا کچا چھٹا کھل جائے  
 گا۔" وہ خود ڈر چکا تھا، اس کے باوجود انہیں دھمکانے کی  
 کوشش کر رہا تھا۔  
 "وہ سب ہمارے مسئلے ہیں۔ اپنے مسئلوں کو ہم خود  
 دیکھ لیں گے۔ تم بس اپنا فیصلہ سناؤ۔"  
 "کیا کروں میں بھگوان؟ یہ کس مشکل میں ڈال دیا  
 ہے تو نے مجھے۔" معاذ کے اس لہجے نے مہندر کو سر کے بال  
 بوجھ لینے پر مجبور کر دیا۔  
 "کال لگاؤ جادو یا یہ شخص اپنی آنکھوں سے اپنے  
 پیاروں کی لاشیں گرتے دیکھنے کا خواہشمند ہے۔" معاذ نے  
 سرد اور سپاٹ لہجے میں جبار علی کو مخاطب کیا۔ اس وقت اس  
 کے دل پر اتنی سخت طاری تھی کہ مہندر کے کارونا تر بننا اسے موم  
 نہیں کر رہا تھا۔ اسے بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے پری دوش کی  
 روح اپنے ساتھ ہونے والے انصاف کا شکر دیکھنے اس  
 کے پہلو میں کہیں آکھڑی ہوئی ہے اور اگر وہ مہندر پر زور اس  
 بھی رحم کھائے گا تو وہ زخمی روح مزید زخمی ہو جائے گی۔  
 "اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم میرے بعد میرے  
 پر یوار کے ساتھ کچھ برائیاں کرو گے؟"  
 "گارنٹی کے لیے یہی کافی ہے کہ ہم تمہارے جیسے  
 بدخلص نہیں ہیں۔" اس بار جواب جبار علی نے دیا اور پھر  
 اسے شہ کا دیتے ہوئے بولا۔  
 "بس اب عمل کر گزر دو ورنہ ہم حرکت میں آجائیں  
 گے اور پھر کچھ بھی رک نہیں سکے گا۔" ابھی اس نے اپنی بات

شہ زور  
 مکمل کی ہی تھی کہ جیب کا انجن اسٹارٹ ہوا اور جیب ایک  
 جھٹکے سے آگے بڑھی۔  
 "کوہ جاؤ۔" جبار علی زور سے چلا یا اور خود چلتی جیب  
 سے چھٹاک لگا دی۔ معاذ نے بھی تاخیر نہیں کی لیکن جیب  
 جس رفتار سے آگے بڑھی تھی، اس میں چھٹاک لگانا ایک  
 خطرناک عمل تھا۔ اس کا جسم جیب سے اچھل کر ٹپکنے کے بعد  
 جیسے ہی زمین سے ٹکرایا، اچھی خاصی زوردار چوٹ لگی اور  
 جسم ڈھلان پر دوڑنے لگا۔ جبار علی نے اسے سب کے باوجود  
 اس نے ہاتھ سے رائل کر لے نہیں دی تھی۔  
 "تم ٹھیک ہو؟" جبار علی پوچھا کہ اس کے پاس  
 آج۔ وہاں اچھا خاصا اندھیرا تھا لیکن جبار علی عرف چارو کی  
 غیر معمولی سماعت نے اس کی رائی میں کی تھی۔  
 "ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ آؤ اس غیبت کا انجام  
 دیکھتے ہیں۔" وہ ہاتھ پر جھڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ پیر میں لگنے  
 والی چوٹ نے اس کی چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ پیدا کر دی  
 تھی لیکن وہ کسی قسم کی تکلیف کا اظہار کیے بغیر چارو کے ساتھ  
 اوپر کی سمت بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر کار وہ اس مقام پر پہنچ گئے  
 جہاں سے جیب نکلے گئی تھی۔  
 "خس کم جہاں پاک۔" جبار علی نے نیچے بہت گہرائی  
 میں پڑی چلتی جیب کو دیکھ کر تہرہ کیا۔  
 "مردود سرتے سرتے ہمیں بھی ساتھ لے کر مرنے چاہتا  
 تھا۔" معاذ نے اپنے پاس موجود مہندر کا پسٹل گہرائیوں کے  
 حوالے کیا۔  
 "جن کی فطرت میں ہی خواہش اور جالبازی ہو، وہ  
 آخری سانس تک اس سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔"  
 جادو نے نفرت سے جہرہ کیا۔  
 "ہاں، لیکن یہاں تو چاروں کو مورد پڑنے والی بات  
 ہو گئی۔ تمہارے اس رنگ نے بڑا کمال دکھایا۔ عورت کی  
 آواز کی اتنی زبردست نقالی کی کہ مہندر کو شک ہی نہیں ہوا کہ  
 دوسری طرف اس کی بیوی نہیں ہے۔" اس نے دس کر جادو  
 کے سامنے کی کار کردگی کو سراہا۔  
 "وہ پینک تھا، آواز کی تموزی بہت تیز تھی محسوس ہوئی  
 بھی ہوگی تو یہی دہشت زدہ ہونے کے خیال سے اس  
 نے ٹپس نہیں کی ہوگی۔ ہم نے انسانی نفسیات کے ان  
 پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ہی یہ ساری پلاننگ کی تھی ورنہ  
 ہمارے پاس تو اس کی بیوی یا محبوبہ سے کسی کی آواز کا  
 نمونہ بھی موجود نہیں تھا۔" وہ بلندی سے دایں نیچے کی طرف  
 جاتے ہوئے آپس میں یہ گفتگو کر رہے تھے۔



”اس نے مختصر وقت میں اس سے عمدہ پلاننگ ہو چکی تھی۔“ اس نے چاروی کی کارکردگی کو سراہا۔

”ہم اس سب کے حامی ہیں پارا“ چارو ہنس۔ وہ ہندو کو ہجوم تک پہنچا کر خوش تھا۔ باتوں باتوں میں وہ اس مقام تک پہنچ گئے جہاں ان کا ساتھی جیپ سمیت ان کا منتظر تھا۔

”مشن مکمل۔ سب اپنے اپنے محفوظ مقامات پر لوٹ جاؤ۔“ چاروٹی نے اپنے ان مددگاروں کو پیغام دیا جو قریباً قریب گزری صورت میں ان کی مدد کے لیے ارد گرد ہی چپے ہوئے تھے۔

”شکر دوست! مجھے معلوم ہے کہ اس مشن کو مکمل کرنے کے لیے تمہیں میری مدد کی ضرورت تھی لیکن تم نے اس میں مجھے شامل کر کے مجھے میرے دل پر پڑا بوجھ اتارنے میں بہت مدد دی۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آج پری دہشت گردی سے خوش ہو گئی۔“ جو کچھ ہوا تھا اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن اپنی حساسیت کے باعث وہ ہمیشہ شرمندہ رہتا تھا۔

”میں آئندہ یا تو تمہارا ہی تھا۔ ہندو کی موت کو حادثے کا روپ دینے سے ہماری بچت ہو جائے گی۔ اگر ہم ڈائریکٹ آپریشن لیتے تو پھر اس کا شکار بھی بے قصور شہریوں کو بھگتنا پڑتا۔ اب اس کے حصے میں موجود انکھل کی مقدار اس خشک کوئی کر دے گی کہ وہ نشے میں بہک کر حادثے کا شکار ہوا ہے۔“ چارو نے بھی اسے سرائے میں سجھائی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ویسے قلعہ نہیں کہہ رہا تھا۔ آئندہ یا محاذ کا ہی تھا جس کی ٹوک پلک اس نے اپنی نیم کے ساتھ مل کر ستواری تھی۔

”اللہ حافظ! موقع ملا تو دوبارہ ملیں گے۔“ صبح کے آج رات قریب تھے جب جیپ اسی مقام پر واپس آ کر رہی جہاں سے انہوں نے اسے لیا تھا۔

”موقع تو نکالنا پڑے گا۔ تمہارے اسٹائڈز کو میرٹ ایم 107 چلانے کی مشق بھی تو کروانی ہے۔“

”ہاں، وہ تو ہے دیکھو کیا صورت نکلتی ہے۔“ چاروٹی تذبذب میں تھا کہ اسے کسی مشکل میں ڈالے بھی یا نہیں۔

”مت الجھو، اللہ خود راستے نکالے گا۔“ معاذ نے اسے تسلی دی اور اس کا شانہ جھپٹا کر جیپ سے اتر گیا۔ پہلو سے گھوم کر ہسپتال کے مرکزی دروازے تک پہنچے تک اس نے اپنی جالی کی کڑکھٹ کو خاصا قہقہہ کر لیا تھا۔ رات بھر کی ڈیوٹی سے تھکے گاڑنے منہ انہرے چائے کے برتن لینے آئے کاسن کر مڑتو بتایا لیکن اسے روکا نہیں۔ کمرے میں

چاروٹی کا بیجا بندہ اس کا منتظر تھا اور لیپ ٹاپ بھی آں کر کسی وجہ سے ہندو کی موت کی کنفیٹش کرنے والے اس کو پہنچ بھی جاسے تو بخائن گواہی دیتا کہ وہ رات بھر ان کے رہا تھا اور ہسپتال کے کمرے سے دفتری کام نمٹاتا رہا تھا۔

”کون ہو تم اور ہمیں اس طرح اغوا کر کے نکالنے کا کیا مقصد ہے؟“ عالم شاہ نے اپنے سامنے موجود ہندو نعوش اور پختہ رگت والے شخص کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔ اسے وہ شخص پہلی نظر میں ہی اچھا لگا تھا۔ بد صورتی کا مسئلہ نہیں تھا کہ شکل و صورت خدا کی دی گئی لیکن اس شخص کا حلیہ بھی طبیعت پر ناگوار گزرنے والا تھا۔ اس نے نہایت بوسیدہ اور میل لاس پہنا ہوا تھا اور اس کے لمبے بال چٹاؤں کی شکل میں لنگ رہے تھے۔ شاہ نے وہ کئی مہنتوں سے نہیں نہایا تھا جو اس کے وجود سے اسے بے رحم قافلے سے بھی طبیعت کو متلا رہی تھی۔

”ایئر سٹنگ کوئین۔“ اس نے اپنے آدمی کے ہاتھ سے جلتا ہوا سگریٹ لے کر بڑے اسٹائل سے ایک کش اور طنز سے سگریٹ کے ساتھ بولا۔ یو جتا رہی تھی کہ وہ سگریٹ پی رہا ہے وہ سادہ نہیں ہے بلکہ اس میں جس بھرا ہوئی ہے۔ اصل میں وہ پورا ماحول ہی بہت گندا اور بد بو کا تھا۔ اس بد بو اور شخص سے ملاقات سے کل انہوں نے تو

میں جو وقت گزارا تھا وہ بھی سخت بیزار کن تھا۔ نیچی چھت اور ادھر سے پستروالے کاٹھ کباڑے بھرے اس بند اور ہم زدہ کمرے میں جانے کہاں سے وہ بد بو کی پٹریں آتی تھیں۔ مہمانوں کے ساتھ بدن میں سرایت کر کے معصوم محجب مہاجروں کو پیدا کر دیتی تھیں۔ یہی بارود اٹنی کر سے رہ گیا۔ یہاں تک کہ باڈی کی قید میں گزارا وہ وقت کم یاد آنے لگا جو انہوں نے بزدلی یا ڈنگ موسائی کے ایک دہ خانے میں گزارا تھا۔ گندہ کی تارکی اور گھٹن کی وہ اذیت آج بھی انہیں یاد تھی۔ بکڑی ہوئی نفسیات والا بازار انسانوں کو انسان کے درجے سے گرا کر ان کی حالت کے لطف کشید کرنے کا حامی تھا اور لگتا تھا اب پھر اس کے کیمائی ہندو واسطے پڑ گیا تھا۔

”اپنا جانی ہے اور یوں سمجھو کہ اپنے ہاتھ میں سنا کے راستوں کی چالنی۔ مال، بندہ، انفارمیشن سب اپنا ہے ایک اشارے پر۔“ انہوں نے اشارے کے اس سندھ کے اس طرف آ جاتا ہے۔“ اس نے ہاتھ سے جاکا اشارہ دیا۔ ”مطلب اسکر ہو، لیکن کسی اسکر سے ہمارا

واسطہ۔“ عالم شاہ نے اطمینان سے تجویز اخذ کیا۔ سرحد حسب حادثات اس کے ساتھ موجود ہونے کے باوجود خاموش تھا۔ ”واسطہ بھی پتا چل جائے گا جب تم ادھر سے ادھر پہنچو گے۔“ وہ خواہش سے مسکرایا۔ ”اسکی ہوگا۔“ تم ہمیں کہاں اسکیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟“ ”کہہ رہا ہوں۔“ سرحد کے چہرے پر بھی

”ہو۔“ عالم شاہ بری طرح چمک گیا۔ سرحد کے چہرے پر بھی ہلراپ پھیلا۔ ”دیکھو، سرحد سے تم رتے تڑا کر بھاگ نکلے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو، ہماری سرکار کسی پاکستانی جاسوس کو اتنی آسانی سے ہاتھ سے نکلے دے گی؟“ جانی نے صورت حال سے لطف اٹھایا۔

”ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہمیں پھنسا یا گیا تھا۔“ ”یہ ثابت کرنا ہماری سرکار کے ہاتھیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بس ان بار پھر ڈراما ٹائٹ لگا دیں گے تاکہ تم نکل کر بھاگ نہ سکو۔“ جانی کا اطمینان قابل دید تھا۔ عالم شاہ نے اپنے وجود میں خوف کی ایک لہری دوڑی محسوس کی۔ سچ یہی تھا کہ اب وہ دوبارہ اس کو گردھندے میں نہیں پھنسا جاتا تھا۔ ”کیا نہیں ہو سکتا۔ تم ہمارے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔“

”کیوں نہیں کر سکتا۔ اپنا سب کر سکتا ہے۔ ابھی مجھے دن پہلے ہی تو سونیا میڈم کو ادھر سے ادھر پہنچایا ہے۔“ اس کا انکشاف چرکنا دینے والا تھا۔ جانی کو حاصل شدہ معلومات کے مطابق تو وہ جینوں کی قید میں تھی۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اگر سونیا بھارتیوں کے ہاتھ لگ گئی ہو تو وہ ہماری دنیا میں شور مچا دیتے کہ دیکھو یہ پاکستانی جاسوسوں کی ساتھی اور اب اس سے ہم اس کی بانی ساتھیوں کا پتا لگوا دیں گے۔“

”ہاں۔“ جانی گھبرا کر ہنس۔ ”تم کو کچھ خبر ہی نہیں ہے مجھ کو لے یاد شاہ! اسامی وہ تمہاری نہیں بلکہ ان کی ہے جنہوں نے کھن کے ہال کی طرح اسے تمہارے اداروں کی قید سے نکال کر اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ ہو سکتا ہے اب تک وہ اپنے دیش کی اور اڑ چکی ہو۔“ جانی کے انکشافات اس کے لیے حیران کن ہی نہیں، ناقابل فہم بھی تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ سونیا چین سے پاکستان پہنچی اور پھر یہاں سے بھارت اسکیل کر دی گئی۔

”خوش! نہیں ہو رہا ہے یا، پر ہو جائے گا۔ اس سے ہو جائے گا جب تم اور تمہارا ساتھی خود دوسری طرف اسکیل ہو گئے جانی نے اس کی بے یقینی کو بھانپ لیا۔

”ادھر کم ملنا سونیا میڈم سے مل کر تمہیں پتا چلے گا کہ را اور موساد کا باراند کتنا کچا ہے اور دونوں کیسے سے پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔“ وہ ان کی پریکٹس سے بہت خوش تھا۔ کچھ سرور جس نے بھی چڑھایا تھا اس لیے بڑھ چڑھ کر خود ہی ہنستا چلا جا رہا تھا۔

”را کو تم چاہیے ہو اور موساد کو تم سے معاذ کا پتا۔ اب تم ادھر سے ادھر پہنچو گے تو دونوں کا ہی بھلا ہو جائے گا۔“ ”کیوں، سونیا نے معاذ کے بارے میں کوئی انفارمیشن نہیں دی؟“ وہ چونکا۔

”کہاں سے دیتی؟ وہ پہلے جینوں پھر پاکستانیوں کی قید میں تھی۔ اسے کس نے بتانا تھا کہ معاذ کدھر ہے اور کس چکر میں ہے۔“ کہنے کو وہ اسکر تھا لیکن اس کے پاس معلومات اچھی خاصی تھی۔

”معلوم تو مجھے بھی کچھ نہیں ہے۔“ وہ بے خیالی میں بولا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ مکمل کی تیاری کے معاملات میں الجھا رہا تھا اور معاذ کے معاملات سے کافی حد تک الگ ہو گیا تھا۔ کچھ دوسری طرف سے بھی پردہ داری کی گئی تھی۔

”کوئی کتاب ہی نہیں نہیں کرے، انہیں بندے کے اندر سے سب اگلوانا آتا ہے۔ نکالنے کو اپنا بھی تیرے اندر سے سارا سچ نکالو الے پر اپنا کو یہ ڈیوٹی ملی نہیں اور جانی ڈیوٹی سے بڑھ کر کام کرنے کو خواہ مخواہ کا پکا جھگڑتا ہے۔ اس لیے ابھی اپنے اس پتھو کے ساتھ مل کر انتظار کر۔ جلد تم دونوں کی روائی ہے۔“ اس نے انہیں اطلاع دی اور قسم ہو جانے والا سگریٹ فرش پر پیچیک کر جوتے سے نکلے ہوئے اپنے آدمی سے خطاب ہو کر بولا۔

”جے جا کر بند کر دے انہیں اور ہاں، ان کے لیے کپڑوں کا بندوبست کر دینا۔ ایسے ننگے پھول کو تو نہ بٹھائے گا اپنا اپنی بوٹ میں۔“ وہ اپنی بات سے خود ہی لطف لے کر زور سے ہنس۔ احساس ذلت سے عالم شاہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ انہیں اغوا کر کے یہاں لاتے وقت زیر جا رہے کے سوا ان کے سارے کپڑے اتر والے گئے تھے۔ یہاں تک کہ بیروں میں جوتے بھی نہیں تھے اور اب یہ گندہ شخص ان کا مذاق اڑا رہا تھا لیکن برداشت کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ اول تو بندے ہوئے ہاتھ بیروں کے ساتھ کچھ کیا نہیں جاسکتا تھا، دوم اس سے الجھنے سے کچھ حاصل بھی نہیں ہونے والا تھا۔ انہیں جو کچھ کرنا تھا، دماغ کو خنڈا رکھ کر بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔

☆☆☆



”بیل۔“ شہر یار اور ماہ بانو باہر جانے کے ارادے سے اپنے کمرے سے باہر آئے تھے لیکن ایڈمنڈ کے ساتھ لاؤنچ میں موجود انجینیئر کو دیکھ کر ٹھک گئے۔

”اوہ بیل! آئیے مسٹر ایڈمنڈ مسز مراد! آج میں آپ کو اس دنیا کی سب سے پیاری لڑکی سے ملواتا ہوں۔“ ایڈمنڈ کی آواز میں خوشی کی چکا چکی اور اس نے بہت محبت سے اپنے برابر بیٹھی ہوئی لڑکی کی طرف دیکھا تھا۔

”اوہ ڈیڈ! آپ بھی بس حد کر دیے ہیں۔ میں نے کوئی کس ورلڈ کا چائلڈ نیت رکھا ہے جو آپ مجھے دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی قرار دے رہے ہیں۔“ اچلی سفید رگت پر تمایاں ہوتی گئی آنکھوں اور سنہری زلفوں والی جین نے لاؤنچ سے اپنا سر ایڈمنڈ کے شانے پر لگا دیا۔

”مس ورلڈ میری بیٹی کے آگے پانی بھرتی ہے۔“ ایڈمنڈ بے ساختگی سے بولا پھر باقاعدہ تعارف کروانے لگا۔

”یہ میری بیٹی سوسن ہے، ڈاکٹر سوسن اور ساتھ اس کا شوہر ڈاکٹر لائف ایفرا ایم ہے۔ یہ دونوں چشمیاں گزارنے تلک سے باہر گئے ہوئے تھے اور کل رات ہی واپس آئے ہیں۔“

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔“ شہر یار اور ماہ بانو مگر خوشی سے ان دونوں سے ملنے گئے۔ دونوں نے ہی یہ بات نوٹ کی تھی کہ سوسن کا شوہر اس کی نسبت بالکل مختلف شخصیت کا مالک تھا۔ ڈاکٹر لائف کندی رگت اور سیاہ بالوں والا ایک اوسط شخصیت کا مالک شخص تھا اور سوسن اس کے سامنے کچھ زیادہ ہی جھگڑاتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

”یہ مسز مراد اور ان کی سز تانیہ ہیں۔ میرے دوہر طالب علمی کے بہت ہی اچھے دوست ساتھی تھے ان سے تعارف کروایا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل گھومنے آئے ہیں اور آقا زیدو شلم سے کیا ہے۔“ اب وہ بیٹی اور داماد سے شہر یار اور ماہ بانو کا تعارف کروا رہا تھا۔

”آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی مسٹر ایڈمنڈ مسز مراد! مجھے اور سوسن کو نوا دیکھئے کہ بہت شوق ہے اس لیے ہم ان لوگوں کو بہت پسند کرتے ہیں جو ایک مخصوص دائرے میں مسلسل گھومتے رہنے کے بجائے اپنے لیے کچھ وقت نکالتے ہیں اور وہ کرنے نکل پھرتے ہیں جہاں پسند ہو۔ جو ان کے دل اور روح کو خوش کر دے۔“ لائف کا لہجہ سادہ اور پُر خلوص تھا۔

”تو پھر آپ اپنے دل اور روح کو خوش کرنے کہاں کی سیاحت کے لیے گئے تھے؟“ شہر یار نے جو ماہ بانو کے ساتھ ان کے مقابل ایک صوفے پر بیٹھ چکا تھا، اس کی

دلچسپی کا سوال کیا۔

”جرمنی..... ہم جرمنی گئے تھے۔ سوسن کی خواہش ہے کہ وہ اپنے اجداد کے اس ساتھ ملک کو دیکھے اور ایڈمنڈ نے انہیں اس حیرت انگیز ملک کا نشانہ بنایا تھا۔ کازم وہ آج تک نہیں بھول سکے۔“

”بہت خوب، تو پھر کیا پایا آپ نے جرمنی کو؟“

”ویسا ہی جیسے آج کی دنیا کے سارے ترقی یافتہ ممالک ہیں۔ ایسی جگہوں پر سیاحت کی آنکھوں کو ترانہ دینے کے لیے اسے خوبصورت مناظر اور تفریح کے اسے مواقع ہوتے ہیں کہ دل و جگر کو پسینے کی فرصت باقی نہیں رہتی۔ ہم بھی جرمنی کا ٹرپ انجوائے کر کے ہمیں خوشی واپس آگئے ہیں۔“ ڈاکٹر لائف نے اسی سادگی سے جواب دیا جو اس کی شخصیت کا ایک لازمی حصہ تھا۔

”انسان کی نیت ہونا بھی شرط ہے صاحبزادے تمہیں شروع سے یہ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ ہولوکاسٹ میں یہودیوں کے ساتھ کیا جیتا۔“ ایڈمنڈ نے اسے چھیڑا۔

”یقیناً یہی سچ ہے۔ ہم سفاردی یہودیوں کی اس داستان سے جو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی، دیکھ کر دلچسپی نہیں رکھتے جیسی تشریش میں یوں صدی سے زرا عرصے سے اس خطے میں جاری اس ظلم و ستم کے بارے میں اجداد اور ہم اپنی آنکھوں سے مسلسل دیکھ رہے ہیں۔“ لائف کے الفاظ ان کے لیے دلچسپ تھے۔ سفاردی ہی تھی، وہ ایک یہودی تھا لیکن جس طرح بنا کسی لاگ لپیٹ کے وہ وہاں جاری بربریت کو تنقید کا نشانہ بنارہا تھا، تسلیم جاسکتا تھا کہ اس کے اندر کا انسان زندہ ہے۔

”میں اب جو کچھ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے ہمیں بھی اس پر انہوس بلکہ شرمندگی ہے۔ تم یوں ہمیں ہمارے اگلے نازی ہونے کا طعنہ نہیں دے سکتے ڈاکٹر لائف! سوسن نے فوراً شوہر کے سامنے احتجاج کیا۔

(فرانس، ہالینڈ، بیلجیم، جرمنی اور پولینڈ وغیرہ سے آکر آباد ہونے والے یہودیوں کو اگلے نازی کہا جاتا ہے۔ گوری رگت والے یہ یہودی اپنی نسلی برتری کے حوالے سے عموماً بہت متکبر ہوتے ہیں اور امتیاز اور پر تکال سے نکلا گئے یہود کے علاوہ بھی ہر اس یہودی کے لیے سفاردی کا کالہ استعمال کرتے ہیں جو اگلے نازی نہ ہو)۔

”بالکل نہیں۔ میں تمہیں ایسا طعنہ دینے کا سوچ ہی نہیں سکتا۔ میری اور تمہاری یکسر ہی ایک ہے اور میں جان

ہوں کہ ہم کئی چیزوں اور محاطات کو اس لیے سے دیکھتی ہو جس لیے اسے میں دیکھتا ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہم ایک دوسرے کے لائف پارٹنر کیسے ہو سکتے تھے۔“ لائف نے زور اٹھی وضاحت پیش کی لیکن سوسن اب کسی اور موضوع پر توجہ تھی۔ اس لیے اس کی دلیل سے قائل ہونے کے بجائے بحث کرنے کے انداز میں بولی۔

”لائف پارٹنر ہونے کے لیے زیادہ بڑا لگاؤ ایک ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ میرے گریڈ پا اور گریڈ با کی مثال میرے سامنے ہے۔ گریڈ پا اگلے نازی اور گریڈ با سفاردی یہودی ہیں۔ گریڈ پا کو اپنے اگلے نازی ہونے پر بہت غور تھا لیکن پھر بھی انہوں نے گریڈ با سے صرف اس لیے شادی کر لی کہ وہ ان کی محبت میں جیتا ہو گئے تھے۔“

”انہیں نہیں کرنی چاہیے تھی۔ تم خود بتاتی رہی ہو کہ ان کا سلوک تمہاری گریڈ با کے ساتھ جگ آئیز تھا اور وہ اکثر اپنی نسلی برتری کے غرور میں انہیں کوئی نہ کوئی طعنہ دیتے رہتے تھے۔ لائف پارٹنرز کے بیچ میں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ایسی محبت بے فیض ہوتی ہے جس میں عزت شامل نہ ہو۔“ ڈاکٹر لائف نے ایک بار پھر صاف کوئی کا مظاہرہ کیا۔

”لائف بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ کسی بھی رشتے میں محبت سے زیادہ عزت اور احترام زیادہ ضروری ہے۔ جب کسی کو بے عزت کیا جائے، اس کی اتنا کو بار بار پکلا جائے تو درمیان سے محبت خود بخود ہی نکل جاتی ہے۔“ ایڈمنڈ کی آنکھوں میں سرخی کی دھڑکن تھی۔

”اوہ ڈیڈ!..... پلیز بھول جائیں ماضی کو۔ گریڈ با کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔“ سوسن نے باپ کی بدلتی ہوئی جذباتی کیفیت کو محسوس کر کے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے نسلی دینے کی کوشش کی۔

”کاش یہ میرے اختیار میں ہوتا۔“ ایڈمنڈ کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ نے جھلک دکھائی پھر اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

”ایکس کیو زی! میں کچھ دیر کے لیے بچن میں جانا چاہتا ہوں۔ میرے پیارے بیٹی داماد سے دن بعد مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ لازم ہے کہ میں انہیں اپنے ہاتھ سے کچھ اچھٹل بنا کر کھلاؤں۔“

”واؤ..... تو بہت زبردست آفر ہے۔“ سوسن نے خوشی کا اظہار کیا اور اس ساری صورت حال پر خاموشی اختیار کر لینے والے شہر یار اور ماہ بانو کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

”میرے ڈیڈ بہت اچھے شیف ہیں۔ آپ کا آج جو بھی

پروگرام ہے، اسے ملتی کر دیں اور کچھ ہمارے ساتھ کریں۔“ بہت شکر ہے لیکن اچھا نہیں لگتا کہ ہم اپنی شمولیت سے آپ کے نیلی ٹائم کو خراب کریں۔“ جواب ماہ بانو نے ہنچکاتے ہوئے دیا۔

”ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر ہمیں محسوس ہوتا کہ آپ دونوں کی وجہ سے ہم ڈسٹرب ہوں گے تو میں آپ کو یہ آفر کرتی ہی نہیں۔ کیوں ڈیڈ! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟“ سوسن نے ماہ بانو کی نسلی کردارے کو داتے آخر میں باپ سے بھی تائید چاہی۔

”بالکل۔“ سوسن ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم دونوں ہمارے ساتھ شامل ہو گئے تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ اس فینشن کو چھوڑ دو کہ تمہاری وجہ سے ہمیں کوئی ایٹو ہوگا البتہ اگر.....“ ایڈمنڈ نے ذرا سا توقف کر کے ان دونوں کی طرف غور سے دیکھا۔

”اگر ہمیں جواں کرنے سے تمہارا پروگرام خراب ہو رہا ہو تو تم بخوش جاسکتے ہو۔ ہم اپنی دعوت قبول نہ کیے جاتے پر بالکل برائیاں مائیں گے۔“ ایڈمنڈ نے اپنی بات مکمل کی۔

”بہت شکر ہے۔ پروگرام خراب ہونے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں تو کھونا پھرنا ہی ہے تو بھی نہ کسی، شام میں چلے جائیں گے۔ ویسے بھی کسی جگہ کو ایکسیلپلر کرنے میں صرف عمارتوں یا مناظر کو دیکھنا شامل نہیں ہوتا بلکہ وہاں کے مقامی افراد سے ملنا اور ان کی سوچ اور رنگ سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔“ شہر یار نے گویا ان کی دعوت قبول کر لی۔ ایڈمنڈ اس کا شانہ ہولے سے چھپتا پاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

”مائی سویٹ ڈیڈ!“ سوسن آنکھوں میں ڈیمرول محبت لیے مسکائی۔ وہ ایڈمنڈ کی اگلی اولاد کی اور باپ بیٹی دونوں کے رویے سے ظاہر تھا کہ وہ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے ہیں۔

”تھوڑے بہت سویٹ ہم بھی ہیں۔ کچھ نظر کرم ہماری طرف بھی ہو۔“ لائف نے ابے چھیڑا پھر شہر یار سے تصدیق چاہی۔

”کیوں مسز مراد! اظہار نہیں کہہ رہا ہوں میں؟“

شہر یار جواب میں محض ہنس کر رہ گیا۔

”تم تھوڑے نہیں، بہت سارے سویٹ ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو میں تم سے محبت کیوں کرتی۔“ سوسن نے بے تکلفی سے لائف کا رخسار چوم لیا۔ وہ مشرق میں رہنے کے



عہد تربیت کی تھی لیکن یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ کیا آپ کے گریڈ پانے انہیں یہ سب آسانی سے کرنے دیا تھا؟ ان کے پیش نظر یہ شک و شبہ نہیں رہے تھے لیکن خود ان کی سوچ تو وہی تھی نا جو ان کے پیش نظر تھی۔

”آپ نے بالکل صحیح سوال اٹھایا ہے۔ گریڈ باقاعدہ گریڈ ماہ بہت ناراض رہتے تھے اور موقع ملنے پر انہیں بے عزت کرنے اور جلی کی سنانے سے باز نہیں آتے تھے لیکن ان کی مجبوری تھی کہ اسے چھوٹے بچے کو ماں کی گود سے نکال کر کسی اور کے حوالے کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی آپشن نہیں تھا۔ کچھ بڑے ہونے کے بعد انہیں نے ڈیڑی کو بورڈنگ بھیجے کی کوشش کی لیکن ڈیڑی کی سخت مزاحمت نے انہیں اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ ڈیڑی، انگلنڈ پٹرٹ کی طرح ضدی اور جارج نہیں تھے لیکن ان کے کھانا پینا چھوڑ کر ہمارے ہونے کے گریڈ کو تھکوا ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ ان کی ایک مجبوری یہ بھی تھی کہ ملازمت کی نوعیت انہیں تک کر کسی ایک مقام پر رہنے نہیں دیتی تھی اس لیے وہ خود ڈیڑی کی برین واشنگ کرنے سے محروم تھے۔ اپنی جلاہٹ وہ گریڈ ماہ سے بدلہ لے کر لے لیتے تھے۔ ڈیڑی نے اپنی ماں کے ساتھ ہونے والی وہ ساری زیادتی خود بخود ہی ہے۔ اس لیے وہ اتنا وقت گزر جانے اور کہانی کے اہل کرداروں کے دنیا سے چلے جانے کے باوجود خود کو اس تکلیف سے نکال نہیں سکے ہیں۔“ سون نے ایڈمنڈ کے رویے کی ساری گہری کھول دی تھی اور اب وہ سب خاموش بیٹھے جیسے برسوں پہلے بیٹے کا چہرہ دے رہے ہوں۔ اس خاموشی کو لیف کے سسل فون کی گھنٹی نے توڑا۔

”اسپتال سے کال ہے۔ مجھے جانا ہوگا۔“ کال سننے کے بعد اس نے اطلاع دی۔

”لیکن ابھی تو تمہاری چھٹیاں باقی ہیں۔“ سون نے سن کر اعتراض کیا۔

”وہاں میری ضرورت ہے اور وہ لوگ جانتے ہیں کہ میں واپس آچکا ہوں۔“ لیف نے جوابی جگہ چھوڑ چکا تھا، سنجیدگی سے اس کے اعتراض کا جواب دیا اور لے لے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ سون اس کے پیچھے دروازے تک گئی۔

”کیا ہوا ابھی؟ لیف کہاں چلا گیا؟“ ایڈمنڈ نے شاید وہاں ہونے والی معمولی سی اہمیل محسوس کر لی تھی جو ابچن باغ سے جگ سے باہر نکل آیا تھا۔

”اس کے لیے اسپتال سے کال تھی اور آپ جانتے

کرتی بھی کسے؟ اس کے سر پر طلاق اور بچہ سمجھنے کی حکمتیں کسی کو اکر کی طرح جو لگی ہوئی تھیں۔ سون کی آنکھوں میں دکھ نے کی تیرنے لگی۔ لیف نے اسے خود سے لگا کر خاموش کر لی دی۔

”بچے برا تھا، انہیں تھا لیکن گریڈ ماہ صرف اس لیے جبر کی زندگی گزارتی رہیں کہ وہ ان کی نظروں کے سامنے تو تھا۔ وہ کسی ملازمہ کی طرح اس کی خدمت کر کے اپنی منہ کی تسکین کرتی رہیں۔ بیٹے نے بھی انہیں ملازمہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ جس بچے کو آکھ کھولتے ہی اپنی ماں سے ایک حقیر اور ناقص انصاف شخصیت کے طور پر متعارف کروایا گیا ہو، وہ بچہ ماں کی عزت کرتا بھی کیونکر۔

ادھر سے اس کے مزاج میں پیدا کی گئی شدت پسندی نے رہی تھی کس بھی پوری کر دی۔ وہ شہد کی اسی راہ پر چل رہا تھا جس پر اس سرزمین کو سیہون (کھلتا بیوہ ملک جہاں کوئی غیر بیوہ نہ ہو) بنانے کے خواہش مندوں کی اکثریت کا مزمون تھی۔ اسے امن، درگزر اور بھائی چارے جیسے الفاظ سے نفرت تھی اور فصاحت سننے کو اپنی تو جین سمجھتا تھا۔ ان تکلف و حالات میں خدا کو گریڈ ماہ پر نرم آیا اور برسوں بعد وہ ایک بار پھر ماں بننے کے تجربے سے گزریں۔ ڈیڑی کو خدا نے انہیں زخموں کے لیے مرہم کے طور پر عطا کیا اور ساتھ ہی ایک مہربانی یہ بھی کی کہ ان کے سانس سر کو چھوڑے ہی عرصے میں وقفے وقفے سے اپنے پاس واپس بلوالا۔“

سون کے الفاظ نے ماہ باؤ کو لڑا کر رکھ دیا۔ اس دنیا میں کچھ لوگ دوسروں کے لیے اس قدر باعث آزار ہوتے ہیں کہ ان کا واپس جانا کسی اے سے زیادہ جوت لگتا ہے۔

”ڈیڑی کے ساتھ گریڈ ماہ کو پہلی بار اپنے ماں ہونے کا مان ملا۔ انہوں نے اپنے سارے ارمان، ساری خواہشات پوری کیں اور ڈیڑی کو وہ سب کچھ سکھا یا جو انکل ڈیٹرٹ کو نہیں سکھا سکی تھیں۔ یہ سب میری گریڈ ماہ کی تربیت کا اثر ہے کہ ڈیڑی سفاروی، مزاحیہ، قلاشا یا اسکے نازی بیوہ میں سے کسی کو کسی سے کمتر یا برتر نہیں سمجھتے بلکہ بیوہ ہی کیا، دنیا کے کسی بھی مذہب اور خطے سے تعلق رکھنے والے انسان ان کے لیے ایک برابر ہیں۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو آج ایک مسلم جوڑا اس گھر میں بطور مہمان موجود نہیں ہو سکتا تھا۔“ اپنے آخری جملے پر سون فخریہ مسکرائی تو ماہ باؤ اور شہریار بھی بے ساختہ مسکرا دیے پھر ماہ باؤ بولی۔

”آپ کی گریڈ ماہ کا کردار واقعی قابل فخر ہے اور ہمیں اعتراف ہے کہ واقعی انہوں نے اپنے بیٹے کی بہت

paranoia (دوسروں کو اہمیت دینے کا خیال) میں جوا کر دیا یا پھر بوس میں اور ان دونوں ہی رویوں کے ساتھ آپ دنیا کے ساتھ کس نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں کسی کو یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ اس پر خواہ مخواہ شک کیا جائے۔ اسے اپنا دشمن سمجھا جائے یا خود کو اس سے برتر سمجھا جائے۔“ لیف نے بیوہ کی قوم کی نفسیات کا اتنا بھرپور تجربہ کیا کہ شہریار شاش اس کا اٹھا۔

”جو بھی ہے، گریڈ ماہ کو اپنے شوہر اور ان کے لڑکے ان رویوں نے بری طرح برٹ کیا۔ ان کا خاندان عرصے سے یہاں رہ رہا تھا۔ ان کا مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مسیحائیوں سے بھی میل جول تھا اور وہ سب اپنے اپنے مذہب کی حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کی خوشی غمی میں شریک ہوتے تھے۔ گریڈ ماہ ان کے پیش نظر نے چاہا کہ وہ نہ صرف یکدم ان سب دوستوں سے تعلقات منقطع کر لیں بلکہ ان ہی کی طرح ان کو لوگوں سے نفرت بھی کرنے لگیں۔“

وہ عورت پر ہونے والی اس جبر کی داستان سنا رہی تھی جس سے برصغیر میں تو ہر دوسری عورت کی نہ کی صورت گزری رہی ہوتی ہے۔

”اب آپ لوگ ہی بتائیں کہ ایک عاقل اور بالغ عورت کو یہ ڈیڑی دینا کہ اسے کس سے ملنا چاہیے اور کس سے نہیں، اس کی کتنی آزادی کو چھینے اور اس کی نفسیات کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینے کی مذموم حرکت ہے یا نہیں؟“ سون نے تائید طلب نظروں سے حاضرین کو دیکھا۔

”انہیں یہ جبر سنے کے بجائے ٹیڈ کی کا فیصلہ کر لینا چاہیے تھا۔“ لیف نے صاف کوئی سے کہا۔

”انہیں اس کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ شادی کے ابتدائی چند ماہ بعد ہی حاملہ ہو گئیں اور بہت سی عورتوں کی طرح انہوں نے فرض کر لیا کہ اولاد ہونے کے بعد معاملات ٹھیک ہو جائیں گے لیکن انہیں اس سے...“ سون نے ایک پُر تائید گہرا سانس خارج کیا۔

”انہوں نے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا اور صورت حال پہلے سے بھی زیادہ بدتر ہو گئی۔ ماں ہونے کے باوجود انہیں ان کے بچے سے دور رکھا جاتا تھا۔ بچے کی پرورش اس کے گریڈ میں ہی اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اس کے دماغ میں وہی نفرت اور اشتعال انگیز خیالات بھرتے رہے جو خود ان کے اپنے دل و دماغ میں بے ہوش تھے۔ ایک ماں اپنے سامنے اپنے بچے کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھتی رہی لیکن اس تباہی کو روکنے کے لیے چند کمزور کوششوں کے سوا

باوجود دوسرے ہر ملک مغرب کے رنگوں میں رنگی ہوئی تھی۔ کل وسورت سے لے کر پرتا دے اور عادت و اطوار تک برتنے سے اس کے مغرب سے تعلق رکھنے کا گمان ہوتا تھا۔

”ناب دونوں سوچ رہے ہوں گے کہ ہم آپ کو نام دینے کے بجائے مسلسل اپنے ذاتی معاملات میں ہی الجھے ہوئے ہیں۔“ سون اب معذرت خواہانہ اعزاز میں مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”پائل نہیں بلکہ ہمیں تو اپنائیت کا احساس ہو رہا ہے۔“ ماہ باؤ نے فوراً جواب دیا اور اپنی بات میں اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

”سٹر ایڈمنڈ بہت تیس اور پر غلوں انسان ہیں۔ ان کی مٹی کو آپ جیسا ہی ہونا چاہیے تھا۔“

”بے چارے ڈیڑی۔“ میں نے خواہ مخواہ انہیں اداس کر دیا۔ ”آپ کا ذکر ہونے پر سون کے چہرے پر تائید پھیل گیا۔

”یہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔ اصل میں یہ ان کی زندگی کا وہ المیہ ہے جسے وہ بھی بھلا ہی نہیں پاتے اور ذرا سی نہیں لگتے پر پتہ چھٹک پڑتا ہے۔“ لیف اسے تسلی دینے لگا۔

”جو بھی ہے، مجھے اس موضوع کو چھیڑتے ہوئے احتیاط کرنی چاہیے تھی۔“ سون کا تائید ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اپنی اسی کیفیت میں اس نے بھی ہوئی مسکراہٹ سے ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر خود ہی بتانے لگی۔

”اصل میں میرے گریڈ ماہ کو اپنے اسکے نازی ہونے کا بہت غرور تھا اور یہ غرور ان کی تربیت کا حصہ تھا۔ انہوں نے نعت کی وجہ سے پیش سے ضد کر کے گریڈ ماہ سے شادی تو کر لی لیکن انہیں بھی اپنے برابر کا مقام نہیں دے سکے۔ اس میں بڑا ہاتھ ان کے پیش نظر کا بھی تھا۔ انہیں اپنی سفاروی بھی پسند نہیں آئی اور وہ ہمیشہ انہیں تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔“

”Huberistic behaviour“ لیف نے اس کی بات میں دخل دیا۔

”وہ جو ہریس (Hubris) کے مرعیش تھے۔ حد سے بڑھے ہوئے تکبر، خود اعتمادی اور دوسروں کے لیے نفرت کا یہ مرض انسان کو وہی بناتا ہے جو تمہارے گریڈ پا اور ان کے پیش نظر بن چکے تھے۔“

”شاید۔“ سون نے مختصر جواب دیا۔

”شاید نہیں، یقیناً۔ ہماری قوم کا المیہ رہا ہے کہ ماضی میں گزروے مصائب نے ہماری اکثریت کو یا تو sheer



ہیں کہ وہ موت کے فرشتے کو تال سکا ہے لیکن اسپتال کی کال کو نہیں۔" سون نے مت بنا کر اس کے سوال کا جواب دیا تو ایڈمنڈ نے براہِ مہر بخیرہ ہوتے ہوئے بولا۔

"مجھے خبر ہے کہ میرا دادا ایک انسان دوست ڈاکٹر ہے اور اپنے جینیٹک اختلاقیات کو بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں اور جی پوجیس تو مجھے بھی سب سے پہلے اس کی اسی خوبی نے متاثر کیا تھا۔" اب سون بھی خیرہ سکر رہی تھی۔ ماہ بانو اور شہریار کے لیے یہ سب متاثر کن تھا۔

"اب سچ پر اس کا ہمیں جو ان کرنا تو مشکل ہی ہوگا۔ تم ویسا کرنا کہ جاتے ہوئے اس کے لیے کھانا پیک کر کے لے جانا۔" ایڈمنڈ نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے سون کو ہدایت کی۔

"وہ تو میں آپ کے کہے بغیر بھی لے کر جاؤں گی۔ آپ کو پتا ہے کہ لائف کو آپ کے ہاتھ کا کھانا کتنا پسند ہے۔" سون نے اسے جواب دیا اور ماہ بانو اور شہریار کی طرف رخ کرتے ہوئے بولی۔

"ڈیڈ نے کھانا بنانا گریڈ ماسے سیکھا تھا اور کچھ مخصوص ڈشز تو اتنی لذیذ بناتے ہیں کہ بندے کا پیٹ بھر جائے پھر بھی نیت نہیں بھرباتی۔ ابھی کچھ دیر میں کھانا لگے گا تو آپ لوگ خود میری بات کی تائید کریں گے۔"

"تم گھر تو نہیں، میں تو لگتا ہوں اپنے کام میں۔"

ایڈمنڈ بیٹی پر عجب بھری نظر ڈال کر وہاں بچن کی طرف بڑھا لیکن اوپری منزل سے سناٹی دینے والے زوردار چمٹا کے اسے شک جانے پر مجبور کر دیا۔

"انگل ڈیپٹرٹ؟" سون اضطرابی طور پر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"آج ایسی نہیں آئی ہے۔ میں انہیں ناشتے اور میڈیسن کے بعد سلا کر نچے آگیا تھا۔" ایڈمنڈ نے ہنسنے ہوئے چہرے کے ساتھ اسے جواب دیا۔ اسی اثنا میں اوپر سے ایک اور چمٹا کاسٹائی آیا۔

"میں دیکھتا ہوں جا کہ" ایڈمنڈ بیڑیوں کی طرف بڑھا۔

"نہیں، آپ اپنا کام کریں، میں دیکھ لوں گی۔"

سون نے اسے روکا اور بھرنا بھی اور تذبذب کی کیفیت میں بیٹھے شہریار اور ماہ بانو کی طرف رخ کر کے بولی۔

"کیا آپ دونوں میری مدد کرنا پسند کریں گے؟"

"شہریار! شہریار نے جواب دیا اور دونوں نمایاں بیوی فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"انگل ڈیپٹرٹ فاج کی وجہ سے بستر پر لٹا اور صرف اپنے دائیں ہاتھ اور زبان کو ہی حرکت دے سکتے ہیں۔ انہیں اکثر پینک انکس آتے ہیں جنہیں ان کی لاریل ٹرس کنٹرول کر لیتی ہے لیکن آج وہ چھٹی پر ہے۔" بیڑیوں نے چڑھتے چڑھتے اس نے ان دونوں کو مختصراً آگاہ کیا۔ اس دوران مزید دو ہلکے ہلکے دھماکے سناٹی دے چکے تھے۔

"دفع ہو جاؤ۔ کیوں روڑ روڑم لوگ مجھے جگ کرنے آجاتے ہو۔ دفع ہو جاؤ۔ درنہ میں تمہاری لسٹوں تک کو منادوں گا۔" سون نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا تو اندر سے دہاز سناٹی دی۔ ان دونوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی ہوئی سون اندر داخل ہوئی۔

کمرے کے فرش پر ٹیبل لیپ، دو آؤں کی شیشیاں، نشورول اور دیگر چیزیں اسی نوعیت کی چھوٹی موٹی اشیاء بکھری ہوئی تھیں۔ واضح تھا کہ یہ سامان سائز ٹیبل پر سے پھینکا گیا ہے۔

"دیکھو، دیکھو، وہ قاطر، وہ یوسف، وہ سارہ، ابوہریرہ، موئی، الیاس۔۔۔۔۔ وہ سب کے سب مجھے تنگ کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں پتھر ہیں۔ وہ ان پتھروں سے مجھے ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کے پتھر ہمارے ٹیکوں کو تباہ کر دیں گے لیکن میں انہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میں انہیں ان کے گھروں سمیت ہلا دوں گا۔"

سون کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بستر پر پڑے بوڑھے نے ہڈیانی لہجے میں بولنا شروع کر دیا تھا۔ سفید راتی بالوں والے اس بوڑھے کے نقوش میں ایڈمنڈ کی جھلک تھی۔ وہ اپنے جسم کو باقاعدہ حرکت نہیں دے پا رہا تھا لیکن شدید تباہی کے باعث اسے ہنسنے سے لگ رہے تھے اور واحد فعال ہاتھ مسلسل اس طرح حرکت کر رہا تھا جیسے وہ کسی شے کو اپنی گرفت میں لیتا جانتا ہو لیکن اس کی رسائی کی حد میں موجود سائز ٹیبل پر رکھا سارا سامان پہلے ہی زمین پر ہونچا تھا اس لیے وہ اپنی کوشش میں ناکام تھا۔

"اس گندی، کالی، بد صورت صوفیہ کو دیکھو۔ وہ مجھ پر اٹھیاں اٹھا رہی ہے اور بد دعا میں دے رہی ہے کہ جس طرح میں نے اس کے خاندان کو ملیا میٹ کیا ہے، خداوند میرے خاندان کو بھی مٹا دے گا۔ پوچھو، پوچھو۔۔۔ اس گھٹیا عورت سے، اس حقیر چھوٹا سے کہ میری اور اس کی کیا برابری ہے؟"

وہ بستر پر پڑے پڑے بری طرح مل کھا رہا تھا۔ سون اس کی باتوں پر توجہ دینے کے بجائے سائز ٹیبل کی

ملی زلزلہ کھولے اس میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

"کوئی جانتے اس حقیر چھوٹا سے کو کہ اس کا کیزے کوڑوں جیسا خاندان اور میرا اگلی نسب، خداوند کا چہیتا، یہودی خاندان ایک برابر نہیں ہیں۔ خداوند اپنے لاڈلوں کے مقابلے میں اس کی بد دعا میں بھی نہیں سنے گا۔" وہ نفس جی Hubris (حد سے بڑھا ہوا تکبر) کا مریض تھا جو اس حالت پر بھی میں بھی اپنے خرد و کبر کے اعتبار سے باز نہیں آ رہا تھا۔

"آپ دونوں کو انگل ڈیپٹرٹ کو مضبوطی سے پکڑنا پڑے گا تاکہ میں انہیں یہ انجکشن لگا سکوں۔" سون دروازے میں سے ایک سرخ اور داہل نکال کر انجکشن تیار کر چکی تھی۔ ان دونوں نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ڈیپٹرٹ کو مضبوطی سے جکڑ لیا۔ سون نے دوا اس کے بازو میں انجکٹ کر دی۔

"تم اس طرح مجھے بے بس کر کے زہر کا انجکشن نہیں لگ سکتے۔ میں اسرائیلی فوج کا افسر ہوں۔ میرا بدلہ لینے کے لیے اسرائیلی آدمی تمہارے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔ خیرا شکے نازی خون اتنا سستا نہیں ہے کہ تم جیسے کیزے کوڑے مجھے صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔" وہ مزاحمت کی کوشش کے ساتھ ساتھ مسلسل بد زبانی بھی کر رہا تھا۔ دوا جسم میں گئی تو مزاحمت کے دم توڑنے کے ساتھ ساتھ آواز بھی معدوم ہوتی چلی گئی۔

"شونا! انگل ڈیپٹرٹ کے کمرے کی صفائی کر دو۔"

سون نے انٹرکام کے ذریعے گھریلو ملازمہ کو ہدایت دی اور ان دونوں کو اپنے ساتھ لیے چھپے چلی آئی۔

"سب ٹھیک ہے؟" ایڈمنڈ ان کے قدموں کی آواز سن کر کچن سے باہر آیا۔

"انجکشن دے دیا ہے۔ اب شام تک آرام سے سوتے رہیں گے۔" سون نے اطلاع دی تو ایڈمنڈ نے سکون کا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے، تم لوگ بیٹھو۔ میں بس چندرہ منٹ میں کھانا ٹیبل پر لگاتا ہوں۔"

"میں آپ کی ہیلپ کر آؤں؟" سون نے پوچھا۔

"تم بس میرے مہمانوں کو وقت دو تو یہی کافی ہے۔" دیے ہی آج بے چارے خواستہ پیش میں آگئے ہیں۔

"انہی کوئی بات نہیں ہے مسٹر ایڈمنڈ! چھوٹے موٹے مسائل اور پریشانیاں تو ہر گھر میں ہوتے ہیں۔" ماہ بانو نے فوراً اسے تسلی دی۔

"جھنکس۔" ایڈمنڈ اسے مختصر جواب دے کر کچن میں چلا گیا اور وہ سب داہیں اپنی نشستوں پر آ بیٹھے۔

"ڈیڈ، انگل ڈیپٹرٹ کی وجہ سے فیشن میں آجائے ہیں۔ خصوصاً جس دن ایسی ڈیوٹی پر نہ ہو، کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسی انگل کو اچھی طرح سمجھنے کی ہے تو انہیں کنٹرول کر لیتی ہے۔" سون نے انہیں ڈیوٹی ٹرس کے بارے میں بتایا۔

"یقیناً ایسا ہی ہے۔ میں اپنے قیام کے عرصے میں آج پہلی بار ہی ایسی پوچھ لیں دیکھنے کوئی ہے۔" شہریار نے مٹھکو میں اپنا حصہ ڈالا۔ اصل مقصد اپنے میزبانوں کو فحاش سے بچانا تھا۔

"میں تو بچپن سے ہی بہت کچھ دیکھتی آرہی ہوں۔ انگل ڈیپٹرٹ نے اپنی جوانی میں جو کچھ دیکھا تھا، اسے ذہنی اذیت کی صورت میں کات رہے ہیں۔" سون کے لہجے میں محسوس کیا جانے والا دم وضم تھا۔

"اگر مناسب لگے تو آپ ہم سے شہر کر سکتی ہیں۔" ماہ بانو نے غلوس سے کہا۔

"سب کچھ سامنے ہی ہے۔ میں نے آپ کو انگل ڈیپٹرٹ کے ذہنی رجحان کے بارے میں بتایا تھا۔ بس وہی ذہنی رجحان انہیں آدمی میں لے گیا۔ ایک شخص جو متعدد پسند ہو اور مقامی افراد سے نفرت کرتا ہو جب اختیار حاصل کر لے تو سخت خطرناک ہو جاتا ہے۔ انگل ڈیپٹرٹ نے بھی ڈیوٹی ادا کرنے کے نام پر خوب ظلم کا بازار گرم کر رکھا۔ ان کے ہاتھ بے شمار بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں جسے ہماری حکومت نے فرائض کی بخوبی بجا آوری کے نام پر خوب سراہا۔ انگل نے ڈیڑھوں تنھے تو ضرور حاصل کر لیے لیکن ذہنی سکون اور قلبی اطمینان سے محروم ہو گئے۔ بیماری کے بعد سے ان کا احساس جرم ڈراؤنے خوابوں کی شکل میں انہیں ڈرانے لگا ہے۔ وہ ان سارے لوگوں کو جو ان کے ظلم کا شکار ہوئے، اپنے خوابوں میں اکثر دیکھتے رہتے ہیں اور جب بھی ایسا ہوتا ہے، ان کی حالت بگڑنے لگتی ہے۔ ٹرس موجود ہوتی ہے تو دورے کے ابتدائی آثار دیکھ کر ہی میڈیسن دے دیتی ہے لیکن آج وہ نہیں تھی اور ڈیڈ ہمارے ساتھ مصروف ہوئے تو یہ صورت حال پیدا ہو گئی۔"

سون نے اس کے سوال کا تفصیلی جواب دے ڈالا۔ جواب سن کر ماہ بانو اور شہریار دونوں ہی اداں ہو گئے۔ ظلم اور نفرت کے عمل میں صرف مظلوم ہی کا نقصان نہیں ہوتا۔ ظالم بھی کسی نہ کسی صورت مکار کا قاتل عمل سے گزر رہا ہے۔



”ہمارا“ وہ گہری نیند سو رہا تھا کہ زردینہ بی بی نے اس کا شانہ ہلاتے ہوئے دھیمی آواز میں پکارا۔  
”کیا ہوئی بی بی؟“ وہ بی بی سے تین کھٹے بھد جگانے کا بہ کر سوا تھا اور اپنی کیفیت سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ انہوں نے اسے شہ دروہ مانے سے بہت پہلے جگا دیا ہے۔  
”کوئی تم سے ملے آیا ہے۔“

”کون؟“ اس نے محسوس کیا کہ بی بی کے لہجے میں پریشانی سی ہے۔  
”ایسا نام وجے کانت بتا رہا تھا۔ وردی میں تو نہیں ہے لیکن وضع قطع اور حال و حال سے فوجی لگتا ہے۔“ ان کی پریشانی کی وجہ سامنے آ گئی

”وجے کانت، ادوہو۔ یہ تو وہی ہے انکل۔ بنگال کے دوست کا بیٹا۔ وہی جس نے میرے گرفتار ہونے کے بعد مجھ سے پوچھ بچھ کی تھی اور انکل کی ضمانت پر رہا بھی کر دیا تھا۔“ اس نے بستر پر سے اترنے کے لیے پاؤں نیچے لٹکاتے تو یاہن ٹانگ میں وردی کی ایک لہری اٹھی۔ رات گئے والی جن چوٹ کو اس نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، اب وہ سو کر اٹھنے کے بعد تکلیف دے رہی تھی۔

”میں دیکھتا ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔“ اس نے بی بی کو تسلی دی لیکن اندر سے وہ خود شوش میں مبتلا تھا۔ ایک ایسے موقع پر جبکہ رات ہی انہوں نے مہندر کو اس کے انجام تک پہنچایا تھا، وجے کی آمد سچی خبر تھی۔

باہر نکل کر اس نے منہ پر پانی کے چھ چھپکے مارے اور اٹھ گھوڑوں سے بالوں کو سونا رتا ہوا پیشک میں داخل ہو گیا۔  
”گڈ مارنگ سیرا! آپ نے کیسے زحمت کی۔ کوئی کام تھا تو مجھے کال کر لیجئے۔“ پیٹ ٹرٹ میں اہتمام سے تیار وجے سے گرجوش مصافحہ کرتے ہوئے اس نے اخلاق بھارا۔

”زحمت کا مسئلہ نہیں۔ میں یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تم سے ملتا ہوا چلوں لیکن لگتا ہے میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔“ معاذ کی آنکھوں میں دوڑتی سرخی مچنی نیند سے اٹھانے جانے کی جھلکی دکھا رہی تھی۔

”نہیں، کوئی بات نہیں۔ اصولاً یہ کوئی سونے کا وقت ہے بھی نہیں۔ وہ تو میں کل رات بھر بہرام کے ساتھ اسپتال میں تھا اور سو نہیں سکا تھا تو اس وقت تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا تھا۔“

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”ابھی تو ٹرینٹ اسٹارٹ ہوا ہے۔ دو چار دن یہودی کی کوئی نتیجہ برآمد ہوگا۔“  
”یہ تم لنگڑا کیوں رہے تھے؟“ بڑے میں کوئی چوٹ لگی ہے کیا؟“ وجے کی تیز نظروں سے اس کی چال کی ہلکی سی لنگڑاہٹ بھی نہیں رہ گئی تھی۔

”میں آج بھر روم میں سلب ہو گیا تھا اس وقت محسوس نہیں ہو سکا لیکن اب سو کر اٹھا ہوں تو ٹانگ درد کر رہی ہے۔“ اس نے سادگی سے اس کے سوال کا جواب دیا لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ وجے کی آنکھوں میں کھوج ہے۔  
”تمہیں کچھ معلوم ہے کہ مہندر کے ساتھ کیا ہوا؟“

وجے نے اس سے اچانک پوچھا۔  
”کون مہندر؟“ معاذ نے چوکنے کی اداکاری کی۔ کچھ کچھ اندازہ تو وہ پہلے ہی لگا چکا تھا کہ وجے کو مہندر کی موت یہاں لانی ہے۔

”مہندر سگھ، جس کا بھائی خرید سگھ کسی نامعلوم ہتھیارے کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔“  
”ایک معصوم خاندان کا قاتل۔ کیا ہوا اس ظالم کے ساتھ؟“ مجھے لگتا ہے آپ مجھے کوئی اچھی خبر سنانے جا رہے ہیں۔“ اس نے مہندر کے لیے اپنی نفرت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

”کھائی سے اس کی لاش ملی ہے۔ بظاہر تو یہی لگتا ہے کہ شراب کے نشے میں وہ جیب پر کنٹرول نہیں رکھ سکا اور جیب سمیت کھائی میں گر کر موت کا شکار ہو گیا لیکن میری چھٹی حس اس سامنے کی بات کو جھج نہیں مان رہی ہے۔“

وجے نے اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔  
”وہ جس قسم کا ظالم انسان تھا، اس کو اگر کسی نے قتل بھی کر دیا ہوتا مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوگی۔“ معاذ نے بھی اپنی جگہوں کو جھپکنے نہیں دیا کہ اب اعصاب کی جنگ چھڑ چکی تھی۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

”تم اس سے بہت نفرت کرتے ہو؟“  
”خاتم سے کوئی بھی ایسا شخص محبت نہیں کر سکتا جس کے اندر انسانیت کی ہلکی سی بھی رت بانی ہو۔“ اس نے ایک بار پھر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

”یعنی تمہیں موقع ملتا تو تم بھی اسے قتل کر سکتے تھے؟“ وجے نے اسے جھپتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔  
”کاش مجھے کوئی ہتھیار چلانا آتا تو میں کب کا یہ کام کر چکا ہوتا۔“ اس نے انکار نہیں کیا۔

”مہندر کو ہتھیار سے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اس کی جیب سے لہجے میں پوچھا۔

”جیسی طبیعت ہے بہرام کی؟“ وجے نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔



وہ بہت ہوشیاری سے اسے گھبرنے کی کوشش کر رہا تھا۔  
 ”میں آپ کی بات بالکل بھی نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔ جو  
 سچ تھا، وہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ آپ اپنے شک کی وجہ  
 سے جو کہانیاں بنا رہے ہیں، ان کا حقیقت سے دور دور تک  
 کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ایک سفید پوش گھرانے کا عام سا  
 لڑکا ہوں جو معاشی طور پر مضبوط ہو کر اپنے والدین کے  
 بڑھاپے میں ٹھوڑا سا آرام پہنچانا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں  
 کہ میری ذات سے ان کو خوشیاں ملیں کیونکہ دکھ تو وہ پہلے ہی  
 بہت دیکھ چکے ہیں۔“ اس بار اس نے اپنے لہجے میں ٹھوڑی  
 عاجزی اور بے بسی کو سولیا۔  
 ”آئی دیکھ کر تمہاری ساری باتیں سچ ثابت ہوں۔“  
 وجے کا منت اجاچک سی جانے کے لیے کھڑا ہو گیا اور اس کی  
 طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔  
 ”ایسے کیسے سرا! کوئی جانے پانی وغیرہ تو پی کر  
 جاتے۔“ سناڑ بھی بولکھڑا کر کھڑا ہو گیا۔  
 ”سوری! ہم مسلمانوں کے گھر کھاتے پیتے نہیں  
 ہیں۔ ہمارا دھرم بھڑٹ ہو جاتا ہے۔“ وہ غصے سے کہہ کر  
 باہر کی طرف بڑھا۔ سناڑ اس کے پیچھے پیچھے اسے بیرونی  
 دروازے تک چھوڑنے گیا۔  
 ”غیبت!“ وہ چلا گیا تو دروازہ بند کرتے ہوئے  
 معاذ بڑ بڑایا۔ ”مسلمانوں کے برتنوں میں کھانے پینے سے  
 ان کا دھرم بھڑٹ ہو جاتا ہے اور جو اتنے برسوں سے اس  
 ریاست کو برباد کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں،  
 اس سے ان کے دھرم کا کچھ نہیں بگڑتا۔“  
 ”جانے دو بیٹا! یہ دھرم سے زیادہ نیتوں کا معاملہ  
 ہے ورنہ دنیا کا کوئی مذہب خواہ مخواہ کی کوسٹانے کا سبق نہیں  
 دیتا۔“ زورینہ بی بی جو چپکے سے اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی  
 تھیں، اس کے شانے کو تسلی دینے والے انداز میں چپکتے  
 ہوئے دھیمے پن سے بولیں۔  
 ”آپ لوگ بہت ہمت اور حوصلے والے ہیں بی بی  
 جو اتنے برسوں سے خود پر یہ جبر سہہ رہے ہیں۔ میرا تو چند  
 دنوں میں ہی خون کھولنے لگا ہے۔“  
 ”جان خون اپنے ہی جوش مارتا ہے لیکن ہماری عمر  
 کے لوگوں کو سوچ کچھ کہ ہر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ میں اور  
 تمہارے آقا جان تو دیسے ہی کچھ کرنے جو گئے نہیں رہے  
 ہیں۔ اب اس عمر میں تو یہی تمنا رہ گئی ہے کہ جو تھوڑے دن  
 رہ گئے ہیں، وہ سکھ چین سے گزر جائیں۔“ وہ دونوں  
 دروازے سے پلٹ کر گھن میں آگئے تھے اور زورینہ بی بی

مکمل تھی ہی ایک موڑ سے پر تک گئی تھیں۔  
 ”آپ پریشان نہ ہوں بی بی اسٹیک ہو جائے  
 گا۔“ اس نے انہیں تسلی دی۔  
 ”تم کیوں طے آئے بیٹا! ہم نے تو اپنے عمار پر رو  
 دھو کر مبر کر لی لی تھا لیکن اب لگتا ہے ایک نیا دکھ ہماری راہ  
 دیکھ رہا ہے۔ تم نہیں جانتے ان خالوں کو۔ یہ ذرا سے شک  
 پر تو جو ان کی ذہن لیاں اجاڑ دیتے ہیں۔“ ان کی آنکھیں  
 دکھ سے بھر آئیں۔  
 ”میں نے کہا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ سب  
 بہتر کرے گا۔ بلکہ میں ایسا کرتا ہوں کہ انکل بھانسن سے مل  
 کر انہیں ساری صورت حال بتاتا ہوں۔ ہوسکتا ہے وہ کچھ  
 کر سکیں۔“ اس نے دوبارہ سونے کا ارادہ ملتوی کرتے  
 ہوئے نیا پروگرام ترتیب دیا اور نلے سے ہوا تھا کہ وہ سہ پہر  
 تک دکان پر جانے کا اور وہاں دو تین گھنٹے گزارنے کے بعد  
 اسپتال چلا جائے گا تاکہ آغا گل جو کہ دن کے اوقات میں  
 بہرام کی تیمارداری کا فریضہ انجام دے رہے تھے، گھر آکر  
 آرام کر سکیں۔  
 ”ہاں، یہ شک رہے گا۔ وہ تعلقات والے آدمی  
 ہیں۔ یقیناً کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکالیں گے۔“ انہوں نے  
 فوراً اس کی تائید کی۔  
 ”ہاں تو پھر آپ ذرا میرے لیے ایک کپ گرام کر  
 جانے بنا دیں۔ میں جب تک تیار ہو جاتا ہوں۔“ وہ ان سے  
 کہہ کر خود تیار ہونے چلا گیا۔ تیار ہو کر آیا تو چائے تیار تھی  
 اور ساتھ ہی ایک کھانے کا ڈبا بھی۔  
 ”یہ کیا ہے بی بی؟“  
 ”کھانا ہے۔ خود بھی کھانا اور اپنے انکل بھانسن کو بھی  
 کھانا۔ میں نے فلیٹیم گوشت بنایا ہے جو تمہارے انکل  
 بھانسن کو بہت پسند ہے۔“ انہوں نے اسے بتایا تو اس نے  
 اعتراض مناسب نہیں سمجھا اور چائے پی کر ڈبے سمیت گھر  
 سے روانہ ہو گیا۔  
 ”عمار... بیک ہوائے اتم سوئے نہیں جواتی جلدی طے  
 آئے؟“ بھانسن نے اسے دیکھا تو بہت اپنایت سے پوچھا۔  
 ”ہاں کچھ گرم فرماؤں کی مہربانی ہے جو سکون سے  
 سوئے بھی نہیں دیتے۔“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔  
 ”یہ کس کا ذکر ہو رہا ہے؟“ بھانسن نے اپنی ایک  
 بون اچکا کر پوچھا۔  
 ”عزت آج وجے کا منت صاحب!“  
 ”وجے... کیا وجے نے تمہیں بلوایا تھا؟“

بھانسن نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”خود بھانسن نے تمہیں شریف لائے تھے۔“ اس نے  
 اطلاع دی اور پھر اپنی اور وجے کی ملاقات کی ساری تفصیل  
 کہہ سنائی۔  
 ”کل بے دماغ خراب ہو گیا ہے اسٹوڈنٹ کا۔ میرے  
 پاس بھی کال آئی تھی اس کی۔ میں سمجھا ایسے ہی روٹن کی  
 کارروائی کر رہا ہے۔ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ تم پر شک کر رہا ہے تو  
 اتنی دقت بھانسن کر رہا تھا۔“ بھانسن کو نصیحت آیا۔  
 ”آپ دیکھ لیں اس معاملے کو۔ بی بی بہت پریشان  
 ہوئی تھیں اس لیے میں آپ کے پاس چلا آیا۔“  
 ”بہت اچھا کیا۔“  
 ”بی بی نے آپ کے لیے یہ فلیٹیم گوشت بھی بھیجا یا  
 ہے۔“ اس نے کھانے کا ڈبا بھانسن کے حوالے کیا۔  
 ”زشت تو بہت زبردست بھجوائی ہے بھائی نے۔ اب  
 تو میں وجے کا دماغ بالکل شک کانے پر لے آؤں گا۔“  
 کھانے پینے کا فلیٹیم بھانسن کو ڈبا دیکھ کر کھل اٹھا۔ معاذ اس  
 کے اس انداز پر مسکراتا ہوا اپنے کیمین کی طرف بڑھ گیا۔  
 ”بڑھ دو گھنٹے بعد بھانسن نے اسے دو بارہ اپنے پاس بلا لیا۔  
 ”ہو گئی ہے بات میری۔ مہندر کی موت پر ہمیں کسی کو  
 کوئی تشویش نہیں۔ حادثے کو حادثہ ہی سمجھا گیا ہے لیکن وہ  
 اسٹوڈنٹ وجے اپنی فلیٹیم دیکھا کر اعلیٰ افسروں کی نظروں میں  
 نمبر بڑھانے کے پکڑ میں تھا اس لیے بال کی کھال نکالنے  
 بیٹھا ہوا تھا۔ اب تمہیں شک نہیں کرے گا۔“  
 بھانسن کی طرف سے دی گئی یہ اطلاع اگرچہ تسلی بخش  
 تھی لیکن وہ سمجھتا تھا کہ فی الحال اس کا محتاط رہنا ضروری  
 ہے۔ غالب امکان تو یہی تھا کہ بھانسن کو مطمئن کر دیا گیا ہو  
 لیکن کچھ خفیہ سائے مستقل اس کی نگرانی کرتے رہیں۔  
 ☆☆☆  
 ”آپ سوچیں نہیں ابھی تک؟“ عظیم کے سر کے نیچے  
 تکرار کرتے ہوئے نیلی نے محسوس کیا کہ اپنے بستر پر  
 لیٹی کھل جاگ رہی ہے تو اسے مخاطب کیا۔  
 ”ان حالات میں نیند ابھی کیسے سکتی ہے۔ میرا تو یہ  
 سوچ سوچ کر دل ڈوبا جا رہا ہے کہ جانے ادا سائیں اور  
 سرمد کہاں اور کس حال میں ہوں گے۔“ کھل کا لہجہ بھجا ہوا  
 تھا۔ اس کی طبیعت کے پیش نظر اس کے اصرار کے باوجود  
 اسے مول کے ساتھ اسپتال میں نہیں رکنے دیا گیا تھا اور  
 محافظوں کی اچھی خاصی بڑی تعداد کے ساتھ وہ لوگ حویلی  
 پہنچا دیے گئے تھے۔

”اللہ نے چاہا تو سب خیر ہوگی۔ آپ بس دعا کرتی  
 رہیں۔“ نیلی خود بھی پریشان تھی لیکن اسے تسلی دی۔ اس  
 خاندان نے اسے بہت سہارا دیا تھا۔ وہ جو مولیٰ کے بعد  
 اپنی زندگی کو بالکل بے کار اور بے مقصد سمجھنے لگی تھی، ان  
 لوگوں کے درمیان وہ کھڑا ہوا اور اس کے دل سے بہت بھل  
 گئی تھی۔ عالم شاہ کا پروڈول بھی اس کے سامنے تھا۔ مولیٰ  
 کی جگہ کسی اور کو دینا اس کے لیے بہت مشکل تھا لیکن یہ تو تسلیم  
 کرنا پڑتا تھا کہ عالم شاہ ایک اچھا اور مہذب انسان ہے  
 جس کا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے خوش قسمتی سمجھا جاتا۔  
 ”مولیٰ بھی آپریشن تھیم میں جاتے جاتے ادا سائیں  
 کا پوچھتی رہی تھی۔ بعد میں تو دواؤں کے اثر سے اسے کسی  
 بات کا ہوش نہیں رہا لیکن پوری طرح سے ہوش میں آنے کی  
 تولا زبانا ادا سائیں کو پوچھتی تھی۔“  
 ”اللہ نے چاہا تو اس وقت تک وہ لوگ واپس  
 آجائیں گے۔“ خوش امید سی دل کو بھلانے کے سوا اور  
 کیا کیا جاسکتا تھا۔  
 ”ان شاء اللہ!“ کھل نے دل کی گہرائی سے کہا پھر  
 اس سے بولی۔  
 ”ذرا مجھے سہارا تو دو۔ مجھ سے لینا نہیں جا رہا۔  
 تھوڑی دیر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“  
 ”جی اچھا۔“ نیلی فوراً اس کی مدد کے لیے کمر بستہ  
 ہو گئی۔  
 ”بہت شکریہ۔ تمہارے آنے سے زندگی بہت  
 آسان ہو گئی ہے۔ تب ہی تو ہم سب چاہتے ہیں کہ ہم ہمیشہ  
 ہمارے ساتھ رہو۔“ بستر پر کیوں کے سہارے بیٹھتے ہوئے  
 اس نے اپنی پرانی خواہش دہرائی۔  
 ”آپ کو خدمت گاروں کی کیا کمی۔ ایک اشارے  
 پر دسینوں نوکر خدمت کے لیے تیار کھڑے ہوتے ہیں۔  
 اسپتال میں دیکھا تھا میں نے خود بچہ کو۔ مولیٰ کو کسی کالج کی  
 گڑیا کی طرح سنبھال رہی تھی۔“ اس نے سرمد کی سنگیتر کا  
 حوالہ دیا۔  
 ”خدمت گاروں کی بات الگ ہوتی ہے اور فیملی ممبر  
 کی بات اور۔ بے شک ہمارے ملازمین کی اکثریت بہت  
 وفادار ہے لیکن جنہیں تو ہم فیملی ممبر بنانا چاہتے ہیں نا۔ اب تم  
 اسے میری خود غرضی ہی سمجھ لو لیکن اعظم کے لیے بھی محبت  
 میں نے تمہاری آنکھوں میں دیکھی ہے، میری خواہش ہے  
 کہ تم ہمیشہ اس سے قریب رہو۔“ اس نے لالچ سے نیلی کا  
 ہاتھ تھام لیا۔

www.parthlo.com



”آپ لوگوں کے غلوں اور اعظم کی محبت نے مجھے اس حوالے سے سوچنے پر راضی تو کر لیا ہے لیکن بھیجی لگتا ہے ایسا سوچ کر میں موی کے ساتھ بے وفائی کر رہی ہوں۔“ اس کے اعزاز میں بے چارگی تھی۔

”یہ کوئی بے وفائی نہیں ہے بلکہ فراموشی ہے کہ موی کی روح بھی نہیں آسودہ دیکھ کر خوش ہوگی۔ محبت کرنے والے بھی خود غرض نہیں ہوتے۔ ان کی سب سے پہلی ترجیح اپنے محبوب کی خوشی ہوتی ہے۔“ نکی نے اسے سمجھایا۔ وہ جواب دینے کے بجائے موضوع بدل گئی۔

”یہ سب چھوڑیں اور مجھے بتائیں کہ آپ نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟ آپ ہمیں یہیں کی یا مول کی طبیعت ٹھیک ہونے کے بعد بانی علاج کے لیے چین واپس جائیں گی؟“

”میں تو مستقل یہیں رہنا چاہتی ہوں۔ ایک خواب ہے میرے دل میں کہ اپنے گاؤں میں اسکول کے ساتھ ساتھ کالج بھی بنواؤں تاکہ یہاں آس پاس کے بچوں کو آسانی ہو جائے اور پڑھنے کے لیے شہر نہ جانا پڑے۔“

”یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔“ نکی نے اسے سراہا۔

”میں دعا کروں کہ پورا بھی ہو سکے اور تقدیر مجھے یہیں اور اڑا کر نہ لے جائے۔ کیا کہیں دیکھ لیا میں نے پچھلے کچھ عرصے میں۔ ان برف زاروں میں بھی وہ آئی ہوں جہاں جانے کا بھی تصور نہیں کیا تھا۔“ اس کے ذہن میں ٹھیکوں کے ٹھکانے کی تصویریں گردش کرنے لگیں اور پھر ایک ایسی تصویر یادداشت میں ابھری کہ اس پر سستہ سا طاری ہو گیا۔

”کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟“ نکی نے اس کے اندر آنے والی تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

”میں نہیں ایک بات بتانا چاہتی ہوں۔ پتا نہیں جنہیں سن کر یقین آنے کا یا نہیں۔“

”کیوں نہیں آئے گا یقین۔ آپ بتائیں تو سہی۔“

”جب ہم اس برف زار میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں شدید بیمار حالت میں ڈاکٹر یوان منگ کے زیر علاج تھی تو میں نے وہاں اس غار میں بہت عجیب کی چیز دیکھی تھی۔“

”جنگ جتاؤں تو میں آج تک ٹھیک ہوں کہ جو میں نے دیکھا وہ کوئی حقیقت تھی بھی یا صرف میرا دماغ یا پاری میں دکھائی دینے والا کوئی ہمایک خواب تھا۔“ کم مہمی بولتی نکلنے نکلے جو جس میں جھٹکا کر دیا۔

”آخر ایسا کیا دیکھا تھا آپ نے وہاں؟“ اس نے

کچھ بے قراری سے پوچھا۔

”برفانی آدمی“

”برفانی آدمی..... مطلب جی؟“ نکی کا منہ کھل گیا۔

”ہاں۔“ نکلنے کے اشارت میں سر ہلایا۔

”وہ برفانی آدمی ہی تھا۔ تہ قدامت اور بڑے میں عام آدمیوں سے کہیں زیادہ لمبا چوڑا اور بھاری بھر کم اس کے جسم پر ہلکے بھورے اور سرخی مائل سے لمبے لمبے بال تھے۔“

”ہوسکتا ہے وہ گوریلہ بن مانس یا اسی طرح کا کوئی دوسرا جانور ہو۔“ نکی نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

”نہیں۔“ نکل نے سر کو نکی میں حرکت دی اور زور دے کر بولی۔

”وہ برفانی آدمی ہی تھا۔ وہاں اس کے لیے کسی نے جی کا لفظ بھی استعمال کیا تھا۔ وہ بالکل اچانک ہی میرے سامنے آ گیا تھا۔ سب سمجھ رہے تھے کہ میں خودی میں ہوں لیکن میں نے اسے واضح طور پر دیکھا تھا اور ڈاکٹر یوان منگ کو ٹھیکوں کو ڈاکٹرنے ہوئے بھی سنا تھا۔ ان کی زبان تو مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی لیکن اتنا اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جی کے اس طرح نکل آ جانے پر ناراض ہو رہے ہیں۔“

”اف میرے خدا! مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ برفانی آدمی جی جی وجود رکھتا ہے۔ میں تو اسے بس فلموں اور کہانیوں کا ایک گھڑا ہوا کردار ہی سمجھتی تھی۔“ نکی کے چہرے پر اس کی دی اطلاع نے حیرت اور بے یقینی کے رنگ نکھر رہے تھے۔

”میرا بھی ایسا ہی کچھ خیال تھا۔ اسی لیے کبھی کسی نے ذکر نہیں کیا۔ اب خیال آتا ہے، کم از کم اداسائیں یا معاذ کو تو بتانا چاہیے تھا۔ آخر کوئی توجہ ہوگی جینوں کے یوں خیرہ طور پر جی کو اپنے پاس رکھنے کی۔“

”میں نے اس بارے میں کہیں ایک آرٹیکل پڑھا تھا۔ اس آرٹیکل میں لکھا تھا کہ جت کی دور دراز خانقاہوں میں جی جیسے الما، جی، کانگ می یا سیکو وغیرہ بھی کہا جاتا ہے کہ متعلق کچھ ثبوت موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے ان خانقاہوں میں جی کے مختلف اعضا اور کھالیں وغیرہ محفوظ ہیں لیکن وہاں موجود راہب بھی کو ان تک رسائی نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک وہ مقدس چیز ہیں جن تک عام آدمی کو رسائی دینا یا سانس دانوں کو ان کے قریبے کا مسموم دینا بے ادبی میں شمار ہوتا ہے اس لیے یہ معاملہ ابھی تک تاریکی میں ہی ہے۔ شاید راہبوں کے اس رویے کی وجہ سے ہی ڈاکٹر یوان منگ اور ان کی ٹیم نے اپنے پاس جی کی موجودگی کو خفیہ رکھا ہو۔“

ہوسکتا ہے وہ وہاں رہ کر اس پر خفیہ تحقیق اور تجربات کر رہے ہوں۔“ نکی نے اپنی معلومات کا اظہار کرتے ہوئے بہت ہوشیاری سے اس کی بات کا تجزیہ کیا۔

”اچھا، ایسی کوئی بات ہو سکتی ہے۔ ادا سائیں واپس آ جائیں تو میں ان سے اس بات کا ذکر کروں گی۔“

نکی اور آئی اس سے متفق ہو گئی۔

”بالکل سچے سچے جی کی فی الحال تو سوجائیں۔ زات کافی زیادہ ہو گئی ہے۔ آپ کا اس طرح جانتے رہنا اور برابر آرام نہ کرنا آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔“ نکی نے اسے ٹوکا۔

”میں بھی سوچاتی ہوں۔ تم ذرا خدیجہ کو کال تو ملاؤ۔ میں اس سے مول کی خیریت معلوم کروں۔“

”رات کافی زیادہ ہو گئی ہے۔ ہوسکتا ہے خدیجہ سو گئی ہو۔“ نکی جھجکی۔

”نہیں سوئی ہوگی۔ وہ خدیجہ ہے، سرمد کی پسند اور سرمد کی پسند سرمد سے کم جاں نثار نہیں ہو سکتی۔ ہمیں معلوم ہے۔“

”خدیجہ ہے، یہ ہماری جدی بھتیجی ملازمت میں ہے۔ یہ تو لیلیٰ سومر کی حویلی میں ملازمت کرتی تھی۔ صرف سرمد کی خاطر ہمارے پاس آ گئی ہے اور دل و جان سے ہماری خدمت کرتی ہے۔“ نکل کے کچھ میں بھرپور اعتماد تھا۔ نکی کو کال ملانی ہی پڑی۔ خدیجہ نے دوسری ہی صفی پر کال ریسیو کر لی۔ آواز کی مستعدی سے ظاہر تھا کہ وہ جاگ رہی تھی۔

”بی بی نکل شاہ سے بات کرو۔“ اس نے فون نکل کو ہاتھ دیا۔ وہ اس سے مول کی خیر خیریت لینے لگی۔ ابھی بات کر کے موبائل ہاتھ سے رکھا ہی تھا کہ ٹھنڈی بجنے لگی۔ رات کے اس پہر نامائوس نمبر سے آنے والی کال نے دونوں کو ہی شکار کیا۔ نکی نے نکل کے اشارے پر دھڑکتے دل سے کال ریسیو کر لی۔

☆☆☆

”کیا کرنا ہے یار؟ اگر یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو یہ گھٹیا منظر ہمیں انڈیا پہنچا دے گا اور یہ طے ہے کہ اس بار ہم ان کے ہاتھ لگ گئے تو انہوں نے کسی صورت ہماری جان نہیں بخشی ہے۔“ جانی سے ملاقات کے بعد وہ اپنے نفس میں واپس آ گئے تھے اور انہیں لباس بھی فراہم کر دیے گئے تھے جس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اب ان کی روانگی کا وقت قریب ہے۔ گھر کے کی درزوں سے آنے والی روشنی تو ویسے ہی بہت دیر غائب ہو گئی تھی اور کم پاور کا بجلی روشنی والا بلب کندے سندے ماحول کو اور بھی

نا قابل برداشت بنا رہا تھا، اس پر سے فضا میں بھی بھٹی گئی۔ اس بوئے تو طبیعت میں سلاہٹ ہی پیدا کر دیتی تھی۔

”یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب تو مسلسل سوچ رہا ہوں۔ کچھ کچھ بات ذہن میں آئی بھی ہے۔ بس اللہ سامعین کا مہیا لی دے دے۔“

”کیا سوچا ہے؟“ سرمد کے جواب نے اسے خوش کر دیا اور وہ بے دے جوش سے پوچھا۔ ٹھنڈوں کی بہت دھبی سرگوشیوں میں ہو رہی تھی۔ اگر باہر کوئی شخص کان لگا کر سن رہا ہوتا یا کمرے میں کوئی خیرہ مگر فون لگا ہوتا تو تب بھی ان کی ٹھنڈکی نہیں جاسکتی تھی۔

”سب سے پہلے تو ہمیں خود کو کھانا ہوگا۔“ سرمد سے سرگوشی میں بتانے لگا کہ وہ کس ترکیب سے خود کو آزاد کر دیا کرتے ہیں۔

”یہ تو بہت سانسے کی بات تھی یار! ہمیں پہلے کیوں نہیں سوچی۔“ ترکیب سن کر عالم شاہ نے افسوس کا اظہار کیا جس پر سرمد غصے مگر آکر رہ گیا۔

”چلو پھر شروع کرتے ہیں۔ پہلے ہی بہت وقت ضائع ہو گیا ہے۔“ عالم شاہ ہر جوش تھا۔

”طے شدہ طریقہ کار پر عمل کرنے کے لیے دونوں فرش پر لیٹے لیٹے اس انداز میں گھومنے لگے کہ دونوں کی پشتیں ایک دوسرے کے مقابل آجائیں۔ دونوں کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے اور دونوں ہاتھ بھی رسید سے جکڑے تھے اس لیے یہ چھوٹا سا کام بھی ٹھوڑا سا دشوار ثابت ہوا لیکن بہر حال وہ کامیاب ہو گئے۔“

”پہلے میں تمہارے ہاتھ کھولوں ہوں۔“ عالم شاہ نے فیصلہ سنایا تو سرمد کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ بغیر دیکھے بہت تکنیک سے لگائی گئی مضبوط گرہوں کو انگلیوں سے ٹٹول کر محض اندازے کی بنیاد پر کھولنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ عالم شاہ کا غصوں کو ٹٹولنا رہا لیکن کوئی سراہا تھا نہ آیا۔

”یہ تو کچھ لمبی نہیں پڑا یا یار! اسے اعتراف کرنا پڑا۔“

”مجھے کوشش کرنے دیں سائیں!“ سرمد نے درخواست کی۔ اس میں جانی سے ملاقات کے وقت جب ان کے ہاتھ آزاد کر کے انہیں اس کے پاس لے جایا گیا تھا تو وہ عالم شاہ سے چند قدم پیچھے کھڑا رہا تھا اور اس وقت اس نے ری کو لگائی گئی کاغذوں کو گورے دیکھا تھا۔

”چلو تم ہی کوشش کرو سیکو۔“ عالم شاہ نے اسے موقع دیا۔ سرمد کی انگلیاں فوراً حرکت میں آئیں۔ انگلیوں کی پوروں سے کاغذوں کو ٹٹولتے وہ اپنی یادداشت پر بھی زور



”کیوں کرتا ہے..... میں تیری آنے والی نسلوں کو بھی مٹا دوں گا۔“ حسب توقع مخاطب مشتعل ہو گیا۔ یہ تو وہ لوگ پہلے ہی لوٹ کر چکے تھے کہ وہاں موجود سارے لوگ نہایت گھٹیا درجے کے فتنے موالی گنا جنہیں چرس کے سونے لگا کر مار دھاڑ کرنے اور درو نمبریاں کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ وہاں اصل منصوبہ بندی کرنے والا بندہ جانی تھا اور ظاہر ہے وہ اس طرح کے معاملات نہیں دیکھتا تھا۔

”نسلوں کو بعد میں مٹانا پہلے اس گندگی کو صاف کرنا اور میرے ساتھی کو کوئی دوا درودے در نہ یہ ادھر ہی نہیں ہو جائے گا اور تمہاری ٹیل اوجھری رہ جائے گی۔“ اس نے احساس دلایا کہ انہیں جو متوقع سفر کرنا ہے اس کے لیے صحت کتنی ضروری ہے۔ آخر کار حسب توقع نتیجہ برآمد ہوئی گیا اور دروازے پر کھٹ پٹ سنائی دی۔ وہ دروازے کی بائیں جانب کسی جیسے کی طرح چونکا گھات لگا کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا اور آنے والے نے اندر قدم رکھا، اس نے وہی رسی جسے ان کے ہاتھ پیر باندھنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا، اس کی گردن میں ڈال دی۔ اس نے بھڑک کر خود کو پھانے اور جوانی دار کرنے کی کوشش کی لیکن عالم شاہ کی مضبوط گرفت میں پھڑپھڑا کر رہ گیا اور اس کی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ اپنی جگہ چوس کر فوراً گن پر چھٹا لیکن یہاں ان سے اندازے کی ایک غلطی ہو گئی تھی۔ انہیں یہی لگا تھا کہ آنے والا اکیلا ہے لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے پیچھے اس کا ایک ساتھی بھی موجود تھا۔ اس نے گڑبڑ ہوتی دیکھ کر فوراً ہی اپنی گن سیدھی کی اور فائر ماریا۔ اگر سرمد نے اپنی جگہ چھوڑ نہ دی ہوتی تو اس فائر کی زد میں آ جاتا۔ اب اس نے فوراً ہی باہر موجود شخص پر جوابی فائر چھوٹا۔ اس شخص نے ایک طرف ہو کر خود کو بچا لیا اور آڑ میں رہتے ہوئے دو تین مزید فائر کیے۔ گولیاں کھلے دروازے سے اندر آئیں ضرور لیکن سرمد اور عالم دونوں ہی ایسے مقام پر تھے کہ گولیوں کی ان تک رسائی ممکن نہیں تھی۔ اسی طرح وہ خود بھی باہر موجود شخص کو نشانہ نہیں بنا سکتے تھے۔ ویسے ابھرنے والی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ باہر اب وہ شخص اکیلا ہے بھی نہیں۔ فائرنگ کی آواز سن کر یقیناً اس کے ساتھی دوڑے چلے آئے تھے۔

ظلم و جبر کے سامنے سینہ سپر ہو جوان  
کسی داستان جو غلط کاروں کے لیے غضب  
ناک تھا باقی واقعات آئندہ ماہ پڑھیے

دے رہا تھا۔ عالم شاہ کے بندے ہوئے ہاتھوں کا نقش ایک طرح سے اس کے دماغ پر ثبت تھا اور وہ اسی نقش کو پیش نظر رکھ کر انگلیوں کو حرکت دے رہا تھا۔ آخر کار اس کی انگلیوں نے اس پہلی کمانچہ کو پکڑ لیا جس کے کھلنے ہی باقی ساری کمانچیں پوں کھلی چلی گئیں جیسے کسی نے انہیں کل جاسم سم کے جادوئی الفاظ سے کھول دیا ہو۔

”تم نے تو کمال ہی کر دیا برا“ آزاد ہو جانے والے ہاتھوں کو ہلا جلا کر خون کی گردش کو رواں کرتے عالم شاہ نے پہلے سرمد کو سراہا پھر اس کے ہاتھ کھولنے لگا۔ چونکہ اب وہ دیکھ سکتا تھا تو اس بار کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ ہاتھ آزاد ہونے کے بعد دونوں نے اپنے اپنے پاؤں خود کھول لیے اور ان کا سن پین دور کرنے کے لیے پہلے ہاتھوں سے مساج کیا پھر دو چار بار بیچوں کے بل اچھل کر اطمینان کر لیا۔ یہ ساری کارروائی انہوں نے اتنی خاموشی سے انجام دی تھی کہ باہر معمولی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دی تھی۔ خود کو جسمانی طور پر فٹ کر لینے کے بعد وہ آگے کی کارروائی کے لیے تیار تھے۔ عالم شاہ نے سرمد کے ہاتھ پیروں کے گرد رسی کو اس طرح لپیٹا کہ پہلی نظر میں وہ بندے ہوئے نظر آتے لیکن ضرورت پڑنے پر ایک ہی جھٹکے سے آزاد بھی کیے جاسکیں۔ اس کام سے قادر ہو کر اس نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا۔

”کوئی ہے۔۔۔ کوئی ہے تو ہماری مدد کر۔۔۔ دیکھو یہ میرے ساتھی کو کیا ہو گیا ہے۔ ظالمو! کوئی تو آؤ اور آکر اسے سنبھالو۔ جانے تم نے اس غریب کو کھانے میں کیا کھلا دیا ہے کہ جب سے کھانا کھایا ہے، پیٹ درد کر رہا ہے اور اب الٹیاں بھی شروع ہو گئی ہیں۔“ عالم شاہ واویلا کر رہا تھا اور سرمد دروازے کی طرف پشت کیے فرش پر گھٹنوں کے بل آگے کی طرف جھکا ملنے سے ایسی آوازیں نکال رہا تھا جیسے اسے زوردار الٹیاں ہو رہی ہوں۔

”کیا ہو گیا ہے بے؟ کس کی ماں مر گئی ہے؟“ ان کا شور سن کر باہر سے کسی نے بد تہذیبی سے پوچھا۔

”تیری ماں مر گئی ہے۔ آکر لاش اٹھالے۔“

سالہ..... عالم شاہ نے اسے مشتعل کرنے کے لیے روانی میں ایک ساتھ گئی گالیاں دے ڈالیں۔ اصل میں وہ ایک بالکل بند ڈبے نما کمرہ تھا جس سے اخراج کے لیے دروازے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ اس دروازے کو طاقت کے بل پر توڑ کر باہر نکلنے کی پوزیشن میں نہیں تھے اس لیے واحد حل یہی تھا کہ کسی تدبیر سے دروازہ کھلوا یا جاتا اور پھر مرنے کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی۔